پاکستان، اسرائیل

تعلقات کی پسِ پردہ کہانی

پی آر کمار سوامی

ترجمہ: ایم ارشد

PakistaniPoint

www.pakistanipoint.com

BEYOND THE VEIL

ISRAEL-PAKISTAN RELATIONS

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

All Rights Reserved. No part of this book may be reprinted in any form or by any means electronic or mechanical, including photocopying, recording or by any information storage retrieval system without prior permission of the publisher.

کتاب	:	پاکستان، اسرائیل تعلقات کی پس پردہ کہانی
مصنف	:	پی آر کمار سوامی
ترجمہ	:	ایم ارشد
ڈیزائن	:	فیکٹ کری ایٹو ڈیپارٹمنٹ
قانونی مشیر	:	تیموری لاء ایسوسی ایٹس 13 فین روڈ لاہور
قیمت	:	Rs: 500/

www.pakistanipoint.com

Fact Publications aims to promote creative work through book publishing.
More details for our publications, Visit @
www.factpublications.com
We welcome your feed back at:
editor@factpublications.com

بہترین کتاب کی اشاعت کیلئے رابطہ کریں۔
042-35240076, 0300-9482775

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	تعارف	9
2	تل ابیب	15
3	پاکستان اور اسرائیل، مشترکہ خصوصیات	20
4	پاکستان اور اسرائیل کی دلچسپیاں	22
5	پاکستان کی خارجہ پالیسی	26
6	پاکستان اور عرب اسرائیل تنازعہ	32
7	فلسطین کی تقسیم کا منصوبہ	37
8	عرب اسرائیل تنازعہ	43
9	پاک اسرائیل تعلقات اور تنازعات	53
10	پاک، اسرائیل اقتصادی تعلقات	66
11	پاک، اسرائیل رابطوں کا مرکز	71
12	پاک، اسرائیل جوہری مسئلہ	75
13	پاکستان کا اسلامی بم	83

www.pakistanipoint.com

14	اسرائیل کو تسلیم کرنا، پاکستان میں بحث کا موضوع	89
15	پاک، اسرائیل تعلقات کی مخالفت	99
16	پاکستان کے خلاف اسرائیل بھارت سازش	103
17	اسرائیل کو تسلیم کرنے کے ماڈلز	111
18	پاکستان، اسرائیل تعلقات، کچھ اور حقائق	113
19	فوجی و انٹیلی جنس تعاون	118
20	سفارتی تعلقات	119
21	پاکستان، اسرائیل تعلقات، اہم نکات	121

www.pakistanipoint.com

کتاب اور مصنف کا تعارف

پاکستان اور اسرائیل کے تعلقات ایک نہایت اہم اور حساس موضوع ہے جس پر عمومی رائے یہی پائی جاتی ہے کہ پاکستان کو اس یہودی ریاست سے تعلقات استوار نہیں کرنے چاہیں۔ کیا ایسا ہی ہو چاہیے؟ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب پاکستان کے حکمران اپنی منافقت پر مبنی پالیسیوں کے باعث دینا پسند نہیں کرتے۔ اس کتاب میں نظریاتی طور پر قائم دو ریاستوں کے تعلقات کی پس پردہ کہانی کو بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ پاکستان کے حکمران عوام سے چھپ چھپا کر کیسے اس یہودی ریاست سے تعلقات کی پینگیں بڑھاتے رہے ہیں۔

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

کتاب کے مصنف پی آر کمار سوامی ایشیا کے معروف سیاسی اور دفاعی تجزیہ نگار ہیں۔ وہ سیاسی اور دفاعی امور پر مختلف ممالک کی یونیورسٹیز میں لیکچر دینے کے علاوہ سنٹر فار پیس ایشین سٹڈیز کے چیئرپرسن اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی یہ کتاب، انہی کا نقطہ نظر اور پاکستان/اسرائیل کے تعلقات کی ایک چھپی ہوئی تصویر ہے جسے پاکستانی حکمرانوں نے حتیٰ الاامکان چھپانے کی کوشش کی ہے۔

اسرائیل میں حکومت کے خلاف بولنے والے کئی صحافی
اور تجزیہ نگار ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش کروا دیئے
گئے، اسی لئے موساد کے بارے میں بہت کم لکھا گیا۔

پی آر کمار سوامی

www.pakistanipoint.com

تعارف

پاکستان اور بھارت کے مئی 1998ء میں ایٹمی دھماکوں کے بعد جہاں بے شمار حادثاتی نتائج ظاہر ہوئے وہاں ایک اور انہونی بات دیکھنے میں آئی تھی۔ یہ تھی اسرائیلی حکومت کی خواہش کہ اپنے تعلقات پاکستان کے ساتھ بڑھائیں جائیں۔سوائے دو مواقع کے اسرائیل میں پاکستان کو کبھی زیادہ اہمیت نہیں دی گئی تھی۔سب سے پہلے اسرائیلی حکومت پاکستان کی جانب اس وقت متوجہ ہوئی جب وہاں یہ کہا جانے لگا کہ بھارت کا اسرائیل سے سفارتی رشتہ قائم نہ ہونے کا باعث پاکستان ہے۔50ء کی دہائی میں ایک اسرائیلی سفارت کار والٹر ائیان نے اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ جوہر لال نہرو شاید اس وجہ سے اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے میں پس وپیش سے کام لے رہے ہیں کہ کہیں ان کے ایسا کرنے سے عرب ممالک ان سے ناراض ہو کر پاکستان کی گود میں نہ جا گریں جو ان کا مذہبی بھائی بھی ہے۔

دوسرا نقطہ جس پر اسرائیلی حکومت کو تشویش ہوئی وہ یہ تھا کہ پاکستان، برطانیہ کے علاوہ وہ واحد ملک تھا جس نے 1950ء میں اردن کے مغربی کنارے پر حق کو تسلیم کیا تھا۔اسرائیلی سفارت کاروں اور سکالرز کے اس دعوی کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے۔مگر اس کے باوجود اسرائیل یہی کہتا تھا کہ پاکستان اردن کا پکا حمایتی ہے اور اس کے مغربی کنارے پر حق کو تسلیم کرتا ہے۔اس کے بجائے پاکستان میں لوگ اردن کی طرف اس

www.pakistanbolti.com

وقت ہی مائل نظر آئے جب وہاں کوئی سیاسی ہنگامہ آرائی ہوئی یا کوئی قدرتی آفت نازل ہوئی۔

دونوں ملکوں میں اختلافات کو پاکستان کی حکومت اور عوام کی جانب سے کی جانے والی اسرائیل پر تنقید نے مزید ہوا دی۔ پاکستان میں شروع دن سے ہی یہودی ریاست کے قیام کی مخالفت کی گئی ہے۔ 1947 سے لے کر تا حال پاکستان، فلسطین کی تقسیم کا مخالف رہا ہے۔ برصغیر کے مسلمانون کا ملک ہونے کے باعث اسلامی ممالک سے یک جہتی پاکستان کی خارجہ پالیسی کا ایک اہم ستون ہے۔ ساتھ ہی یہاں باقی اسلامی دنیا کے ساتھ مل کر آگے بڑھنے کا بھی چرچہ بھی رہا ہے جو اسے مجبور کیے ہوئے ہے کہ عرب اسرائیل تنازع میں عربوں کی غیر مشروط حمایت کی جائے۔

تیسری دنیا کے متعدد ممالک کی طرح پاکستان بھی بھارت کو نیچا دکھانے کے لیے "اسرائیل کارڈ" کھیلتا رہا ہے۔ اکثر مواقع پر پاکستانی سیاست دان اپنے مخالفین کو اسرائیل یا یہودی نواز ہونے کا طعنہ دیتے رہتے ہیں اور پاکستان میں جب بھی کبھی اسرائیل کے ساتھ تعلقات کی بات کی جاتی ہے تو اس کی شدید مذمت کرتے ہوئے اسے یہودی یا ہندو لابی کی سازش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

جہاں تک اسرائیل کا تعلق ہے تو وہ ان ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات پر بات چیت کرنے سے گریزاں رہا ہے جن کے ساتھ اس کے سفارتی تعلقات نہیں۔ اس کی اس طویل سفارتی علیحدگی وجہ کئی ممالک سے رہی ہے اور اب بھی ہے۔ اسی بات نے اسے خفیہ یا بیک چینل ڈپلومیسی میں خاصا طاق کر دیا ہے۔ لہذا اس کے کئی ممالک کے ساتھ تعلقات سیاسی وسفارتی اور فوجی میل جول تک ہی رہے ہیں۔ روایتی تعلقات کی غیر موجودگی میں اسرائیل نے ہمیشہ سے ہی غیر روایتی طریقوں سے مختلف ممالک کے ساتھ

پاکستان، اسرائیل تعلقات کی پس پردہ کہانی

ناطہ جوڑا ہے تاکہ وہاں اپنے مفادات کا تحفظ کر سکے۔

خفیہ ڈپلومیسی کے زمرے میں پاکستان کبھی نہیں آیا۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ کئی ممالک سے سفارتی تعلقات نہ ہونے کے باوجود اسرائیل میں اس ملک کے ساتھ کسی دوسرے تعلق اور تعاون کو بیان کرنے میں کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں سمجھی گئی۔ مثال کے طور پر اس نے 1994ء میں اردن کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کئے تھے مگر اس کے اردن کے ساتھ خفیہ تعلقات کا ذکر کتنا پہلے سے ہی اس ملک میں سنا اور پڑھا جا رہا ہے۔ اسی طرح سے ہی اسرائیل کے سخت سنسر شپ قوانین کے باوجود مراکش کے کردار کو اسرائیل کے مصر کے ساتھ امن معاہدے میں لیک آؤٹ ہو گیا تھا۔ تاہم برصغیر میں ایٹمی دھماکوں تک وہاں کے میڈیا اور سیاسی حلقوں میں پاکستان کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہی تھا۔

اپنی توقعات اور تبادلوں وغیرہ کو صیغہ راز میں رکھنا اسرائیل اور پاکستان کے مفاد میں تھا۔ پاکستان میں ایسا کرنے سے حکمرانوں کو فائدہ تھا جن کے اسرائیل سے تعلقات تھے۔ وہ ایسا پس پردہ رہ کر اور اس ملک کی مخالفت کرتے ہوئے کر رہے تھے۔ پاکستان کی عوام میں اسرائیل مخالفت کم کرنے میں حکمرانوں کی کمزوری دیکھتے ہوئے اسرائیل نے پاکستان سے اپنے تعلقات کی طرف بڑی احتیاط سے بڑھنا شروع کیا۔

ان تعلقات کی خبر باہر نکل آنا ان کے لیے بہت خطرناک ثابت ہو سکتا تھا اور گمان غالب ہی تھا کہ اگر ایسا ہو گیا تو یہ بھی ختم ہو جائیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ پاکستان کی جانب سے اسرائیل سے روایتی سفارتی تعلقات کی مخالفت کو بھارت کے مقابلے میں زیادہ اہمیت نہیں دی گئی۔

مشہور بات یا کہانی تو یوں ہے کہ پاکستان شروع دن سے ہی یہودی ریاست کے خلاف ہے اور 1947ء میں بھی اپنے قیام کے فوراً بعد ہی پاکستان کی لیڈرشپ اسرائیل

کی مخالفت کرتی رہی ہے۔ تاہم اندرون خانہ پاکستانی لیڈروں کے اسرائیل سے تعلقات رہے ہیں اور یہ کسی ایک لیڈر یا دور تک محدود نہیں رہے۔ ریکارڈ میں موجود اور دیگر مہیا مواد کا اگر تفصیلی جائزہ لیا جائے تو یہ صاف دیکھا جاسکتا ہے کہ دونوں ممالک روز اول سے ہی خاموشی سے ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ یہ باہمی تعلقات سفارتی اور سیاسی لوازمات سے کہیں بڑھ کر رہے ہیں اور دونوں ممالک اکثر اسی کوشش میں رہے ہیں کہ دونوں کے باہمی تعلقات کو تحفظ ملتا رہے۔

گاہے بگاہے اہم پاکستانی رہنما مثلاً پہلے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان (1947-54) فوجی آمر، ایوب خان (1958-69)، یحییٰ خان (1961-71) اور ضیاء الحق (1977-88) سول حکمران یا وزرائے اعظم میں سے ذوالفقار علی بھٹو (1972-77) بے نظیر بھٹو (1994-96) (1988-90) اور نواز شریف (1990-93,1997-99)، یہ سب کے سب اسرائیل کے در پردہ حمایتی تھے اور اسرائیل کے لیے ان کے دل میں نرم گوشہ تھا۔ لہٰذا ان سب نے کسی نہ کسی طرح سے ان خفیہ تعلقات کی حمایت جاری رکھی اور اسرائیلی لیڈروں اور سفارت کاروں کو اس سلسلے میں سہولیات بھی دیں گئیں۔ یہ حکمران معاملے میں اکیلے نہیں تھے متعدد بار ایسا ہو چکا ہے کہ پاکستانی افسران اور سفارت کاروں نے اپنے اسرائیلی ہم منصبوں کے ساتھ ملاقاتیں کیں۔ ایسی غیر رسمی ملاقاتیں ابتدا میں واشنگٹن، لندن یا اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر نیویارک میں ہوتی رہی ہیں۔ اس کے علاوہ دونوں ممالک کے افسران رنگون، کھٹمنڈو، ٹوکیو، لاگوس، انقرہ، تہران، مراکش، اوٹاوہ، برسز، روم میں بھی ایک دوسرے سے مل چکے ہیں۔ ان میں سے کچھ ملاقاتیں نجی اور دوطرفہ نوعیت کی تھیں جبکہ کچھ میزبان ممالک میں منعقد کی گئی تقریبات میں ہوتی تھیں یا کسی فارن مشن کے توسط سے یہ میل جول دیکھنے میں آیا۔

پاکستان، اسرائیل تعلقات کی پس پردہ کہانی

اسرائیلی سفارت کاروں نے بڑی باقاعدگی سے اپنے پاکستانی ہم منصبوں کی حرکات و کارکردگی کی رپورٹ اپنی حکومت کو دیں۔ پاکستانی سفارت کاروں اور دیگر افسران کے بارے میں میڈیا کی رپورٹیں بھی باقاعدگی سے یروشلم جاتی رہی ہیں تاکہ مستقبل میں مزید رابطوں کا سلسلہ جاری رکھا جاسکے۔ اسی طرح سے پاکستان کی مشن افسر (دوسروں ممالک میں) میزبان ملک میں موجود اسرائیلی سفارت خانے کو باقاعدگی سے ضروری معلوماتی مواد بھیجتے رہے ہیں۔ یہ مواد پاکستانی سٹیشنری پر بھیجا گیا اور اس میں یہ دعویٰ بھی بھارت کے مقابلے میں کیا گیا کہ ہم (پاکستانی) اسرائیل کے اصولی طور پر مخالف نہیں۔ پاکستان سے تعلق رکھنے والی کئی نیم سرکاری اور غیر سرکاری تنظیموں کے ارکان اور عام شہری بھی بیرون ملک اسرائیلی سفارت خانوں سے مختلف معلومات اور ''فنی تعاون'' کے سلسلے میں رابطے کرتے رہے ہیں۔ چونکہ دونوں ملکوں کے درمیان خط و کتابت ممکن نہیں، لہٰذا ایسے روابط کے لیے خطوط وغیرہ بھی تیسرے ملک میں موجود اسرائیلی مشن کو بھیجے جاتے ہیں۔ مثلاً نیویارک یا لندن میں موجود اسرائیل کے مشن آفیسر۔

خاصے اثر و سوخ کا مالک ایک یہودی رہنما ایڈمنڈ ڈی روتھس چائلڈ Edmund de Rothschild نجی طور پر کئی بار ان کوششوں میں متحرک رہا ہے اور اس نے اس مقصد کیلئے پیسہ بھی لگایا تاکہ اسرائیل اور پاکستان کے تعلقات میں مزید بہتری آئے۔

اس کتاب یا دستاویز میں پاکستان اور اسرائیل تعلقات کا جائزہ لیتے ہوئے اسے کئی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ آغاز میں دونوں ممالک کے مشترکہ مفادات اور مشترکہ خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد پاکستان کی اس پوزیشن کا تذکرہ ہے جس پر وہ عرب، اسرائیل تنازعات کے سلسلے میں اسرائیل کے قیام تک رہا ہے۔ ان ابواب کے بعد پاکستان کے ایٹمی قوت بن جانے اور دونوں ممالک کے ایک دوسرے کو سمجھنے اور ایک

www.pakistanipoint.com

دوسرے کی سلامتی کے حوالے سے خدشات کا ذکر ہے۔اس کے بعد پاکستانیوں کے ان مباحثوں تذکرہ ہے جو ان لوگوں نے دونوں ممالک کے تعلقات کے حوالے سے کئے ہیں۔اگلے حصے میں ان رکاوٹوں کے بارے میں لکھا گیا ہے جو ان کے تعلقات کی راہ میں حائل ہیں۔جبکہ آخری حصے میں دونوں ملکوں کے ''سفارتی تعلقات کی امید'' کے حوالے سے ان آپشنز کا تذکرہ ہے جو پاکستان کو اختیار کرنا ہوں گی۔

اسرائیل ان تعلقات کے بارے میں پاکستان سے زیادہ سنجیدہ اور نسبتاً زیادہ دلچسپی لے رہا ہے۔گوکہ پاکستان اسرائیل کے لیے کسی ضروری خطے کا درجہ نہیں رکھتا۔لیکن اس کے باوجود پاکستانی کی اسلامی دنیا میں اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔1948ء سے اب تک اسرائیل اس بات میں دلچسپی لیتا رہا ہے کہ تعلقات اور باہمی گفت وشنید کو کیسے بڑھایا جائے مگر ان تمام باتوں کی نوعیت کو پاکستان کی جانب سے ہی کنٹرول کیا گیا ہے اور اسی جانب سے ہی تذبذب کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا ہے۔پاکستان نے اسرائیل کی جانب سے تعلقات بڑھانے کی درخواست پر ہمیشہ سے ہی ردعمل ظاہر کیا ہے۔موجودہ صورتحال کو دیکھتے ہوئے ہوسکتا ہے کہ اب اسرائیل پہل کرے، باقی کی باتوں کا انحصار پاکستان پر ہے اور کتاب میں اسی نقطے پر بھی بحث کی گئی ہے۔

www.pakistanipoint.com

تل ابیب

اسرائیل کے دارالحکومت تل ابیب کے مضافات میں ایک بڑی سڑک جو بحیرہ روم کے ساتھ چلتی ہے، ایک ذیلی سڑک ہے۔اس سڑک پر چند سیل کے فاصلے پر سفیدے کے درختوں میں لپٹی ہوئی پراسرار اور بھول بھلیوں جیسی چھوٹی چھوٹی کنکریٹ کی عمارتیں ہیں۔ان عمارتوں میں داخلے کا راستہ درختوں کے جھنڈ میں گم ہونے کے باوجود اپنے بڑے سے بورڈ کے باعث باآسانی تلاش کیا جاسکتا ہے۔باوجود اس کے کہ یہاں ہر طرف اسرائیلی فوجی اردگرد گھومتے نظر آتے ہیں۔اس احاطے میں داخلے کیلئے کوئی روک ٹوک نہیں۔یہ 600 کے قریب کنکریٹ کے بڑے بڑے بلاک ہیں اور تقریباً ہر بلاک پر کئی ایسے اسرائیلیوں کے نام درج ہیں جو ملک کے لیے خدمات کے دوران مارے گئے۔یہ ان لوگوں کی یادگاریں ہیں جو اسرائیل کے خفیہ اداروں کے لیے کام کرتے رہے ہیں۔ان بلاکوں پر صرف اور صرف نام، تاریخ پیدائش اور وفات درج ہے۔اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

اسرائیل اپنے مردوں کے بارے میں بھی بڑا محتاط ہے کہ کہیں ان کے اصل کارنامے نہ سامنے آجائیں۔یہ ایک فوجی یادگار اور عوامی جگہ ہے۔مگر یہاں خال خال ہی لوگ آتے ہیں۔ان بلاکوں کو 5 ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔جن کا آغاز نومبر 1947 ہے۔وہ تاریخ جب اقوام متحدہ نے اس ملک کے قیام کی منظوری دی اور آخری سیکشن میں ان

لوگوں کی یادگاریں ہیں۔ جو 1985ء میں مارے گئے۔ ان میں سے 200 بلاک خالی ہیں اور یہ ان لوگوں کے لیے ہیں۔ جنہیں Unnown Soldiers کہا گیا ہے۔ ان میں سے اکثریت ان لوگوں کی ہے جو دوران سروس مارے گئے۔ انکے بھی نام ہیں جو قدرتی موت مرے۔ بہرحال اکثریت ان لوگوں کی ہے جن کے بارے میں صرف اور صرف اسرائیل کے خفیہ ادارے ہی جانتے ہیں۔ کچھ تو وہ ہیں جن کے بارے میں دنیا جان گئی تھی جب یہ دشمنوں کے ہاتھوں گرفتاری کے بعد ہلاک کئے گئے یا ایکشن میں مارے گئے۔ مثال کے طور پر یہاں ایک کنکریٹ پر یاقود بقائی کا نام لکھا ہے۔ اسے 1949ء میں اردن میں گرفتاری کے بعد سزائے موت دی گئی تھی۔ بقائی کو پہلی جنگ 1948ء کے خاتمے پر ان عرب قیدیوں کے ساتھ بدلے ہوئے بھیس میں اردن بھیجا گیا تھا یہاں میکس بینٹ Max Binnet اور موشے مارزوک Moshe Mazuk کے نام بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان ایجنٹوں کو 1950ء کی دہائی کے وسط میں مصر میں گرفتار کر کے پھانسی دے دی گئی تھی۔ یہ ایجنٹ بدنام زمانہ اسرائیلی دہشت گردی کی ایک مضبوط لاوان افیئر کے سرغنہ تھے۔ جس کا مصری انٹیلی جنس نے سراغ لگا کر خاتمہ کیا اور انہیں پکڑا گیا۔ یہاں ایلی کوہن کا نام بھی ہے یہ یہودی جاسوس کمال ہوشیاری اور مہارت سے شام کے اعلیٰ حلقوں میں پہنچ گیا اس نے گولڈن چائمس کے بارے میں سو فیصد معلومات اپنے ملک تک پہنچائیں۔ اسے گرفتار کر کے فوراً ہی سزائے موت کا حکم سنا دیا گیا۔ ایک اور نام ہے براخ کوہن Baruch Cohen ہے۔ یہ موساد کا ایجنٹ تھا اسے میڈرڈ (سپین) میں ایک فلسطینی نے ہلاک کر دیا تھا۔ یہ واقعہ تھا 1973ء کا۔

موشے گولدن (Moshe Golan) کے نام کی بھی یادگار یہاں ہے۔ اسے

1980ء میں اسرائیل کے اندر ہی مغربی کنارے کے ایک مخبر نے ہلاک کیا۔اس کا تعلق شین بیٹ Shin Bet سے تھا۔یاکو دبارسی مان ٹوو کا نام بھی یہاں ہے۔موساد کے اس ایجنٹ کو پیرس میں اسرائیل کے لبنان پر 1982ء میں حملے سے چند روز قبل ہلاک کیا گیا تھا۔اور شین بیٹ کے وکٹر اجوان کا بھی نام لکھا ہے یہ 1987ء میں مسلمان گوریلے کے ساتھ جڑپ کے دوران مارا گیا تھا۔تاہم اگر کچھ معلومات اکٹھی کی جائیں تو حقیقت سامنے آئے گی کہ یہاں ان لوگوں کی یادگاریں ہیں جو 1967 کی 6روزہ جنگ اور 1973ء کی جنگ کے دوران مارے گئے۔بہت سے بلاکوں پر ان لوگوں کا نام درج ہے جن کا تعلق شین بیٹ سے تھا۔یہ لوگ اس خودکش حملے کے نتیجے میں ہلاک ہوئے جو ٹرئر (لبنان) میں ایک شیعہ مسلمان نے نومبر 1983ء میں کیا تھا۔مگر اس کے باوجود بہت سے نام اسرار و موز کی گہری دھند میں لپٹے ہوئے ہیں۔صرف اور صرف نام یا وفات کی تواریخ اور ہیں۔1988ء کے وسط تک کی اگر ان معلومات کو اکٹھا کیا جائے تو جن کا تعلق کسی نہ کی طرح سے ان کنبوں سے بنتا ہے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اکثریت کا تعلق اسرائیل کی خفیہ ایجنسیوں سے تھا۔

اسرائیل کا انٹیلی جنس نیٹ ورک بہت وسیع اور خطرناک ترین سمجھا جاتا ہے۔اس نیٹ ورک کے تین الگ الگ یونٹس ہیں۔

(1) آرمی انٹیلی جنس 261

(2) شین بیٹ

(3) بدنام زمانہ موساد

دوبارہ اب ہم ان کے کتبہ نما کنکریٹ کے بلاکوں کی طرف آتے ہیں۔تقریباً ہر یادگار کے نیچے مرنے والے والوں کی باقیات اور مٹی پھٹی لاشیں ہیں۔(جو اب تک تحلیل

ہو چکی ہوتی) چند ایک ایسی بھی ہیں جن کے نیچے کچھ نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دوسرے ممالک خاص کر شام، مصر وغیرہ کی سرزمین کی تمام قبروں میں مدفون ہیں۔ دنیا میں ہر ملک کی طرح اسرائیل میں تینوں افواج بری، بحری اور فضائیہ کے الگ الگ قبرستان ہیں۔ یہ قبرستان 1984ء میں تعمیر کیا گیا تھا کیونکہ حکومت پر ان مدفون لوگوں کے لواحقین کا بہت دباؤ تھا کہ ان کی خدمات کو تسلیم کیا جائے۔ یہ بات تو طے ہے کہ یہ قبرستان اسرائیل کے خفیہ اداروں کے متعلقہ لوگوں کا ہے۔ اس ملک کے مزکورہ ادارے جہاں اربوں روپے اس بات پر خرچ کرتے ہیں کہ دشمن ممالک کے بارے میں ہر طرح کی معلومات رکھی جائے وہاں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ ان کے اہل کاروں کا کسی کو پتا نہ چل سکے۔

اسرائیل کے خفیہ اداروں مثلاً موساد کا اس وقت دنیا کو پتا لگا تھا جب مصر میں ان کا ایک خفیہ مشن ''لیوان'' سامنے آیا۔ اس کے بعد سے کئی ایک مہم جو صحافیوں اور دیگر سراغ رسانوں نے اس تنظیم کے کئی ایک رازوں سے پردہ اٹھایا۔

اسرائیل دنیا میں وہ واحد ملک ہے جس کا دفاعی بجٹ بلحاظ آبادی کے سب سے زیادہ ہے، آبادی 7,353,985 ہے اور دفاعی بجٹ کل بجٹ کا 80 فیصد ہے۔ اسرائیل کے لیڈروں نے روز اوّل سے ہی یہ ڈھنڈورا پیٹا ہے کہ ہم ہر طرف سے دشمنوں کے نرغے میں ہیں۔ لہذا یہ تیاریاں اور دیگر ایسے اقدامات ہمارا حق ہیں۔

امریکا کی CIA برطانیہ کی mi6 اور سابقہ سوویت یونین کی KGB کے بارے میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کتابیں، مضامین اور رپورٹیں ملیں گی مگر اسرائیل کی موساد کے بارے میں بہت کم مواد موجود ہے۔ 1985ء میں پیٹر وائٹ نے جس کا تعلق برطانیہ کی انٹیلی جنس سے تھا۔ ایک کتاب لکھی۔ ''Spy Catcher'' اس کتاب کی اشاعت

کے بعد برطانیہ میں تہلکہ مچ گیا اور حکومت نے اسے بین کرنے کی کوشش کی۔ ایک طویل مقدمے کے بعد کیس کا فیصلہ پیٹر وائٹ کے حق میں ہو گیا۔ فیصلے میں یہ کہا گیا تھا کہ ایک آزاد ملک میں تحریر و تقریر پر پابندی ناقابل برداشت ہے۔ لیکن ایسا اسرائیل میں کبھی بھی نہ ہو سکا، اپنی حکومت کے بارے میں بولنے والی کئی اسرائیلی صحافی اور تجزیہ نگار ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش کروا دیئے گئے۔

www.pakistanipoint.com

پاکستان اور اسرائیل
مشترکہ خصوصیات

اس سے پہلے کہ اس رنگا رنگ اسرار رموز اور نہ چھیڑے گئے تصویری کینوس کا جائزہ لیا جائے، یہ باتیں پوچھا جانا ضروری ہیں کہ کیا پاکستان اور اسرائیل ایک دوسرے کے لیے اہمیت رکھتے ہیں؟ کیا اسلامی جمہوریہ پاکستان اور اس یہودی ملک، اسرائیل کے درمیان کچھ باتیں مشترکہ ہیں؟ کیا ان کے مفادات کسی نقطے پر اکھٹے ہو سکتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ دونوں ممالک (پاکستان اور اسرائیل) کے درمیان کئی باتیں مشترکہ ہیں اور اس بات کو نہ صرف کم سمجھا گیا ہے بلکہ اسے قریب قریب نظر انداز بھی کیا گیا ہے۔ ان دونوں ملکوں کے سیاسی ڈھانچوں میں اتنا فرق نظر آتا ہے کہ ان کا موازنہ کرنا انوکھی بات لگتا ہے۔ اسرائیل ایک جدید جمہوری معاشرہ ہے۔ جبکہ پاکستان اب تک فوجی آمریت یا مطلق العنانیت، سرمایہ داری اور جمہوریت کے ہی چکروں میں پڑا رہا ہے۔ دونوں ممالک کے سماجی و معاشی نظام ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں ان اختلافات و افراق کے باوجود دونوں باتیں اس لحاظ سے ایک جیسی ہیں کہ دونوں کی بنیاد ایک تاریخی ورثے پر رکھی گئی ہے۔ دونوں کو ہی بیرونی اندرونی خلفشار و اختلافات کا سامنا ہے۔ دونوں ممالک کے قیام کا مقصد انہی اقلیتوں کے سیاسی مفادات کا تحفظ تھا اور اس سلسلے میں دونوں ممالک کی آزادی سے اب تک اس مسئلے کو تقریباً ایک جیسے طریقے سے

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

ہی حل کیا گیا ہے۔ اپنے قیام کے دوران دونوں کو قریب قریب ایک جیسے مسائل کا سامنا رہا تھا۔ دونوں کے قیام و آزادی میں مذہب کا بڑا عمل دخل رہا ہے۔ مگر اس کے باوجود دونوں کے وہ رہنما جن کی قیادت میں ان کا وجود ممکن ہوا، مذہبی ہرگز نہ تھے۔ نہ تو محمد علی جناح؛ اور نہ جی ڈیوڈ بن توریاں یہ چاہتے تھا کہ ان کی ریاستیں مذہبی ہوں۔ محمد علی جناح کی ذات کے بارے میں ایک بھارتی صحافی نے لکھا ہے:

> ''جنرل ضیاء الحق (1977-88) کو اپنے دور میں یہ اطمینان ضرور رہا ہوگا کہ اس کے بابائے قوم جناح آج زندہ نہیں ورنہ ان کی ذاتی عادات کی بنا پر ضیاء الحق کو ان پر کوڑے برسانے پڑتے۔ مسٹر جناح نہ صرف چین سموکر تھے بلکہ وسکی کے بھی شوقین تھے۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی اپر کلاس لبرل کی طرح سے گزاری تھی اور وہ عوام کے سامنے بھی اسی انداز میں رہتے تھے۔''

یہ بات ڈیوڈ بن توریاں کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ اگرچہ وہ بھی اپنے مذہب کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔ دونوں لیڈروں (جناح اور ڈیوڈ بن توریاں) اور ان کے رفقاء کی خواہش تھی کہ ہمارے ملک (پاکستان اور اسرائیل) جدید ریاستیں ہوں۔ ان کے عوام (مسلمان اور یہودی) کی مخصوص ضروریات بھی پوری ہوتیں رہیں۔ دونوں ممالک میں قریب قریب ایک جیسا واقعہ رونما ہوا، وہ یہ کہ جیسے ہی دونوں رہنما منظر سے ہٹے، ان کی جگہ ان لوگوں نے لے لی جو مذہبی منافرت پھیلانے والوں کے آلہ کار بن گئے۔

www.pakistanipoint.com

پاکستان اور اسرائیل کی دلچسپیاں

پاکستان اور اسرائیل کے درمیان صرف یہی باتیں مشترکہ نہیں ہیں۔اپنے قیام کے روز اوّل سے ہی انہیں اپنی بقا اور سلامتی کا مسئلہ درپیش رہا ہے اور اپنے ہمسایوں کے سلسلے میں انہیں یہ خدشات ستاتے رہے ہیں کہ کہیں یہ ان کی آزادی وخودمختاری کو نقصان نہ پہنچادیں۔لہٰذا ہم اسے محض اتفاق نہیں کہہ سکتے کہ دونوں ممالک میں سلامتی وتحفظ کے اداروں کا کردار بہت اہم ہے، مذکورہ بالا نقطے سے اسی بات کی سمجھ آتی ہے اسرائیل کے معاملے میں ہمیں قومی سلامتی اور اتفاق کے نام پر ایک مضبوط فوجی لابی نظر آتی ہے جبکہ پاکستان میں ہم فوج کو سب سے زیادہ مضبوط اور طاقتور اور ادارے کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔وہ بیرونی خطرات جو دونوں ممالک کو لاحق ہیں ان میں کچھ فرق ہے مگر ایک بات دونوں میں مشترک ہے، وہ یہ کہ پاکستان اور اسرائیل دونوں ان اکثریتی قوتوں سے خوفزدہ ہیں جن کا یہ کبھی پہلے حصہ تھے۔تاہم اس قسم کا خطرہ پاکستان کی نسبت اسرائیل کو زیادہ زیادہ ہے اور اسی وجہ سے ہی اسرائیل نے انڈیا کے ارادوں اور صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے اپنی خارجہ اور اندرون خانہ پالیسیوں کو شکل دی ہے۔

بھارتی رہنماؤں کی یہ خواہش کہ پاکستان کو بالکل ختم کردیا جائے، نے صورت حال کو کبھی درست ہونے نہیں دیا، اسی طرح سے اسرائیل کے لیے نہ چاہتے ہوئے بھی تسلیم

کرنا خاصا تکلیف دہ رہا ہے کہ اس کے پڑوس میں عرب موجود ہیں اور اسے ان کے ساتھ ہی رہنا ہو گا۔ گوکہ یہ معاملات ابھی تک پورے طریقے سے حل نہیں ہوئے ۔ پاکستان جو کہ انڈیا کی عددی طاقت سے خائف ہے، اسرائیل بھی اس بات سے آگاہ ہے کہ اس کا پڑوس عددی لحاظ سے کئی گنا بڑے عربوں پر مشتمل ہے۔

سلامتی کے ان خدشات نے ہی دونوں ممالک کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ اس کے لیے غیر معمولی اقدامات کریں ۔ مثلاً خطے سے باہر تعلقات اور ایٹمی قوت کا حصول۔ سرد جنگ کے دوران پاکستان کا محل وقوع امریکا اور اس کے اتحادیوں کے لیے بڑی اہمیت کا حامل تھا اور ان دنوں سویت یونین کے گرد گھیرا ڈالنے میں مصروف تھے لہٰذا پاکستان کو اس دور میں بڑی اہمیت دی گئی ۔ پاکستان کی جغرافیائی پوزیشن اور اسرائیل کے اس سماجی مسئلے کہ یہودیوں کی کثیر تعداد سوویت یونین میں آباد تھی، نے دونوں کو اس بات سے مانع رکھا کہ وہ ماسکو سے بالکل قطع تعلق کر لیں مگر دونوں نے مغرب کے کمیونسٹ مخالف اتحاد سے خوب فائدہ اٹھایا اور اپنی کئی ضروریات پوری کیں حتیٰ کہ پاکستان ان فوجی معاہدوں جو بنیادی طور پر سوویت یونین کے خلاف تھے، ان میں سے ایک کا باقاعدہ ممبر بن گیا۔ اسرائیل مشرق وسطیٰ میں امریکا کے سب سے بڑے سٹریٹجک پارٹنر کے روپ میں سامنے آیا۔

پاکستان اور اسرائیل کی روایتی اور عددی کمتری (اس بات کا تفصیل سے آگے جائزہ لیا جائے گا) نے انہیں اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ مغربی طرز پر سرد جنگ ماڈل کی پیروی کرتے ہوئے اپنے لیے نیوکلیر طاقت حاصل کریں۔ سکیورٹی خدشات نے دونوں ممالک کی خارجہ پالیسی میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ اپنے مخالفین (انڈیا اور عرب ممالک) کے برعکس پاکستان اور اسرائیل نے ایک حقیقت پسندی پر مشتمل خارجہ پالیسی

www.pakistanipoint.com

کی پیروی کی جو خالی خولی الفاظ اور آئیڈیلزم سے مبرا تھی۔ اپنے قیام کے فوراً بعد دونوں ممالک نے غیر جانبدارانہ پالیسی اپنانے کی کوشش کی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ سرد جنگ کے دونوں فریقین کے ساتھ دوستی رکھی جائے۔ مگر ان ممالک میں کچھ ایسی تبدیلیاں رونما ہوئیں کہ انہیں مغربی کیمپ میں آنا پڑا اور وہ اپنے خطوں میں جلد ہی واشنگٹن کے حواری کے طور پر سامنے آئے۔

روایتی تعلقات کے نہ ہونے سے پاکستان اور اسرائیل دونوں کی ایک دوسرے سے اہمیت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ اس بارے میں چونکہ سنجیدہ مباحثوں کا فقدان رہا ہے، جو دونوں ممالک کے تعلقات کے حوالے سے ایک غلط تاثر کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ اپنے قیام سے لے کر اب تک اسلام نے پاکستان میں اسرائیل کے مفادات کو اجاگر کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ باوجود اس کے کہ پاکستان میں سیاسی عدم استحکام، معاشی مسائل اور کڑ دہائیوں پر محیط فوجی آمریت رہی ہے۔ پاکستان اب بھی عالم اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ مئی 1998ء میں نیوکلیر تجربات نے اس کی اہمیت کو اور بڑھا دیا ہے۔ اسرائیل میں کئی اخبارات اور رسائل میں پاکستان کو ''اسلامی سپر پاور'' کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

www.pakistanipoint.com

پاکستانی رہنماؤں نے ہمیشہ ان پالیسیوں کو اپنایا ہے
جنہیں عوام کی اکثریت ناپسند کرتی ہے اور اسی طرح سے
ان رہنماؤں کا اسرائیل کے بارے میں نرم گوشہ رکھنا
پاکستان کی خارجہ پالیسی کے دہرے معیار کا عکاس ہے۔
اسرائیلی نقطہ نظر

www.pakistanipoint.com

پاکستان کی خارجہ پالیسی

مشرق وسطی پاکستان کی خارجہ پالیسی کا اہم ترین حصہ بن چکا ہے اور پاکستان کی اس خطے میں دلچسپی اور سرگرمیاں سیاسی حمایت اور تجارتی مقاصد سے بھی آگے نکل چکی ہے۔ پاکستان نے بڑی شدومد سے اس خطے میں نازک سیاسی تبدیلیوں کی فوجی تعاون وسرگرمیوں سے حمایت کی ہے۔ اگرچہ بنیادی طور پر پاکستان نے زیادہ توجہ جنوبی ایشیاء پر موکوز کر رکھی ہے جہاں بھارت سے اس کی چپقلش جاری ہے تاہم 1947ء سے یہ (پاکستان) ایک اسلامی سیاسی بلاک کا حمایتی ہے۔ پاکستان نے OIC کے قیام میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا اور اب وہ اس کے ایک مضبوط و بنیادی ممبر کے طور پر سامنے ہے۔

روایتی تعلقات نہ ہونے اور پاکستان کی جانب سے اسرائیل مخالف بیانات نے دونوں کے درپردہ تعلقات اور خاموش سفارت کاری کو مزید دنیا سے اوجھل کر رکھا ہے۔ اس کی یہ حکمت عملی چند مخصوص قواعد وضوابط کی پابند ہے۔ اسلامی تشخص پر زور دینا اس کی مجبوری ہے تاکہ اندرون ملک عوام خوش اور بیرون ملک اس کا ہمسایہ بھارت دباؤ میں رہے۔ 1947ء سے اب تک یہاں کے لیڈر اپنے آپ کو برصغیر کے مسلمانوں کا نجات دہندہ کہتے آئے ہیں خاص کر ان مسلمانوں کا جو اس وقت بھارت میں موجود ہیں اور جنہوں نے آزادی کے وقت بھارت چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس بات نے

پاکستان کو مجبور کر دیا کہ وہ اسلامی دنیا سے تعلقات بنائے اور یہی پالیسی اختیار کرے جس کا مقصد اسلام اور اس کی پاسداری ہو۔اس کے ساتھ ساتھ جغرافیائی وسیاسی حقائق اور امریکا کے ساتھ قریبی دوستی کی ضرورت پاکستان کے لیے مختلف چیلنج رہی ہے۔

سرد جنگ کے عروج کے زمانے میں پاکستان کی قیادت کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ اس شورش زدہ خطے میں مغرب کے ایک حلیف اور انحصار کرنے والے پارٹنر کا کردار ادا کرے۔مگر جب سرد جنگ کا خاتمہ ہو گیا اور یہاں جمہوریت کا آغاز ہوا تو پاکستان کو دنیا میں اسلامی جمہوری ملک کے طور پر دنیا بھر میں پیش کیا جانے لگا۔تاہم دونوں صورتوں میں پاکستان کا امیج یہی رہا ہے کہ یہ ملک مغرب کا سچا اور ذمہ دار حلیف اور اس کے مفادات کا بہترین محافظ ہے۔اس امیج کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسرائیل کے لئے ایک اعتدال پسند یا اختیار کرے۔کئی بار ایسا ہو چکا ہے کہ علاقائی معاملات کے سلسلے میں پاکستان کو اسرائیل جیسا کردار ادا کرنا پڑا تھا۔عوامی دباؤ کے باوجود ماضی میں پاکستان نے مشرق وسطی کے بارے میں وہی سٹینڈ لیا ہے جو اس کے مغربی اتحادیوں کی نظر میں مناسب تھا اور اس بات سے اسرائیل کے پاکستان میں مفادات بڑھ گئے۔باوجود اس کے کہ پاکستان نے اسرائیل کو ابھی تک تسلیم نہیں کیا۔یہاں پر اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ مشرق وسطی کے اہم ترین ممالک مثلاً سعودی عرب اور ایران میں پاکستان کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے اور یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ ملک اس خطے میں اعتدال پسند اثر ورسوخ رکھتا ہے۔

70 کی دہائی کے آغاز میں پاکستانی افواج کو کئی عرب ممالک میں وہاں کی بادشاہتوں (جو مغرب کی حمایتی ہیں) کو بچانے کے لیے تعینات کیا گیا تھا۔پاکستان نے ابتدا ہی سے ان اعتدال اور قدامت پسند بادشاہوں سے قریبی تعلقات بنا رکھے ہیں۔جمال

بعدالناصر کے عرب قومیت والے نعرے کے ساتھ ساتھ اس کے جواہر لال نہرو سے تعلقات کے باعث پاکستان نے اس کی کبھی حمایت نہیں کی تھی۔ یہاں تک کہ پاکستان کی عوام اس کے ساتھ تھی مگر حکومتی موقف مختلف رہا۔ حقیقت کیا ہے؟ اسرائیل کے خلاف عوامی غیظ وغضب یا در پردہ نجی تعاون ودوستی اور منافقت پاکستان کی خارجہ پالیسی کا طرہ امتیاز رہی ہے۔ متعدد بار ایسا ہوا تھا کہ حکومت نے اس پالیسیوں کو اپنایا جو مغرب کو پسند تھیں۔ (بلکہ اس کے ساتھ ساتھ حکومتی ٹولے کے مفاد میں بھی تھیں) اور جنہیں عوامی حمایت بالکل حاصل نہ تھی۔ یہ پالیسیاں غیر مقبول ہی رہی تھیں۔ بلکہ بعض اوقات دیکھا گیا تھا کہ ان کے مقابلے میں جو تجویز کیا گیا تھا وہ بہتر تھا۔ پاکستانی رہنما انہی الفاظ کی جنگ کے پردے میں وہ کچھ کرتے ہیں جن کی وہ سرعام مخالفت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

پاکستان کا 50 کی دہائی میں امریکا کی حمایت ومدد کے لئے کیے گئے فوجی معاہدوں میں آجانا سے لے کر 1998ء میں افغانستان میں دہشت گردوں کے اڈوں پر میزائل حملے تک اور دوسرے کئی اہم فیصلوں کو عوامی حمایت حاصل نہ تھی۔ پاکستانی رہنماؤں نے ہمیشہ ان پالیسیوں کو اپنایا ہے جنہیں عوام کی اکثریت ناپسند کرتی ہے اور اسی طرح سے ان رہنماؤں کا اسرائیل کے بارے میں نرم گوشہ رکھنا پاکستان کی خارجہ پالیسی کے دہرے معیار کا عکاس ہے۔ مختصراً پاکستان کی سیاسی بیان بازی اور اسرائیل کی جواب میں پراسرار خاموشی سے ایک غلط اور توجہ ہٹا دینے والی تصویر سامنے آتی ہے۔ ان تعلقات کی تصویر جو دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر دنیا میں مذہب کی بنیاد پر قائم کیے گئے ہیں۔ دونوں ممالک نے ایک دوسرے کے ساتھ سیاسی وسفارتی تعلقات قائم رکھے ہیں۔ مگر چونکہ یہاں مسئلہ مذہب کا ہے اور دوسرا یہ کہ اس کے مشرق وسطیٰ کے ممالک کے ساتھ بہت

قریبی اور اہم تعلقات ہیں لہٰذا پاکستان مجبور ہے کہ ان رابطوں کو در پردہ ہی رکھے۔ اُدھر اسرائیل بھی ایسا نہیں چاہتا کہ اس اہم اسلامی ملک سے اپنے تعلقات کو کوئی اہم بات یا انکشاف کر کے خطرے میں ڈالے۔ ان دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کو یہاں پر ایک منطق کے تحت زیر بحث لایا گیا ہے۔ جو دونوں کے طرز عمل سے سامنے آتا ہے۔

اگرچہ بہت ضروری تو نہیں مگر پھر بھی اسرائیل کے لیے پاکستان کی اہمیت ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات میں سے کچھ یہ ہیں:

1 : پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اور اس کا اسلامی دنیا میں خاصا اثر رسوخ ہے، خاص طور پر OIC ممالک میں۔

2 : اپنی آزادی سے لیکر اب تک پاکستان نے مشرق وسطی میں بنیاد پرست ریاستوں کی مخالفت کی ہے اور وہاں موجود مغرب کے حمایت یافتہ قدامت پسند بادشاہوں سے اچھے تعلقات قائم رکھے ہوئے ہیں۔

3: ماضی میں پاکستان CENTO میں شمولیت سے اسے مغرب کے قریبی حلیف کی حیثیت سے جانا گیا تھا۔

4: کئی مواقع پر، جیسا کہ ستمبر 1970ء میں جب اردن نے فلسطینیوں کے خلاف کاروائی کی اور مصر کو دوبارہ عرب لیگ میں لیا گیا تو پاکستان کے اقدامات اور پالیسیوں نے اسرائیل کو فائدہ پہنچایا۔

5: اسرائیل دو اہم ممالک سعودی عرب اور ایران تک پاکستان کے ذریعے سے ہی رسائی رکھے ہوئے ہے۔

6: پاکستان سے تعلقات کے سلسلے میں اسرائیل مخالف اسلام پسند قوتوں کا اثر کم ہو جائے گا۔

www.pakistanipoint.com

7 : 1992ء تک جب بھارت کے اسرائیل سے سفارتی تعلقات نہیں تھے۔اس بات کو بہتر اور مفاد پر مبنی سمجھتے ہوئے اسرائیل پاکستان کے مزید قریب آیا تھا۔

8: اب ''اسلامی بم'' کے حوالے سے جن خدشات کا اظہار کیا جا رہا ہے ان سے اسرائیل کے پاس ایک اضافی اس بات کا ہے کہ اس ملک کے قریب ہوا جائے۔جبکہ پاکستان اسرائیل کے قریب اس لیے ہونا چاہتا ہے:

1: کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے سے لے کر اب تک عرب دنیا میں اسرائیل سے بات چیت کے عمل کو آگے بڑھایا گیا ہے تا کہ فلسطین کا مسئلہ حل ہو سکے اور پاکستان اس عمل سے الگ رہنا نہیں چاہتا۔

2: اسرائیل سے تعلقات بڑھا کر پاکستان فلسطین کے مسئلے میں مزید اہمیت اختیار کر سکتا ہے۔

3: اسرائیل کے ساتھ تعلقات بڑھا کر پاکستان امریکا کے اور قریب ہو سکتا ہے۔

4: معاشی و دفاعی امداد امریکا سے حاصل کرنے کے لیے پاکستان نے ماضی میں اسرائیل کے ساتھ تعلقات کا بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔

5: اسرائیل کی پاکستان کے نیوکلیئر پروگرام کے بارے میں غلط فہمیوں نے پاکستان کو اسرائیل تک پہنچنے کا ایک اضافی موقع فراہم کر دیا ہے۔

www.pakistanipoint.com

خفیہ ڈپلومیسی کے زمرے میں پاکستان کبھی نہیں آیا۔
کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ کئی ممالک سے سفارتی تعلقات
نہ ہونے کے باوجود اسرائیل نے ہمیشہ سے ہی غیر
روایتی طریقوں سے مختلف ممالک کے ساتھ ناطہ
جوڑا تاکہ وہاں اپنے مفادات کا تحفظ کر سکے۔

www.pakistanipoint.com

پاکستان اور عرب اسرائیل تنازعہ

اسرائیل اور اس سے متعلقہ خطے کے بارے میں پاکستان کی دلچسپی اور وہاں کے معاملات میں اثر انداز ہونے کا سلسلہ بہت پرانا ہے۔ یہ سلسلہ اسی دن سے ہی شروع ہو گیا تھا جب 1917ء میں معاہدہ بالفور تسلیم کیا گیا۔ برطانیہ کے وزیر خارجہ لرڈ دبالفور قبضے کی حمایت کے چند ہفتوں کے بعد برصغیر میں مسلم لیگ نے فلسطین میں مقدس مقامات کی سلامتی کے بارے میں اپنی سلامتی کا اظہار کیا تھا۔ اگرچہ ان دنوں انڈیا کے قوم پرستوں جن میں گاندھی بھی شامل تھے، نے عربوں کی حمایت کا اعلان کیا تھا۔ مگر یہاں ایک فرق نمایاں تھا اور وہ تھا مذہب کا۔

مسلم لیگ کی یہودیوں کے لیے الگ وطن کے لیے مخالفت اور تنقید کی اساس اسلام پر تھی۔ مسلم لیگ کی یہ مخالفت اس نقطہ پر تھی کہ فلسطین جزیرہ العرب کا حصہ ہے۔ لہٰذا یہاں پر غیر مسلمانوں کی حکومت اور ان کا قبضہ نا قابل قبول ہے۔ قائد اعظم محمد علی جناح جیسے سیکولر نظریات کے حامی اسلام کی آڑ میں یہودیوں کے الگ وطن کی مخالفت کر رہے تھے۔ لہٰذا جناح نے اس بات کو بنیاد بنا کر نہ صرف مسلمانان ہند بلکہ دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کی جانب سے معاہدہ بالفور کی مخالفت کی۔ مسلم لیگ کی جانب سے برطانیہ کو کہا گیا تھا کہ وہ فی الفور اس معاہدے کو ختم کرے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ فلسطین کو خالی کر

دے۔ حکومت برطانیہ کو مسلم لیگ کی جانب سے خبردار کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ اگر اس نے عربوں کے حقوق کی پاسداری نہ کی تو مسلمانان ہند اسے دشمن اسلام سمجھیں گے۔ مسلم لیگی رہنما اکثر اپنی تقاریر میں روایتی یہود دشمنی کا اظہار کرتے۔

یہاں دلچسپ بات یہ ہوئی کہ اس اسلام پسندی اور اسلام پسند قوتوں کی برصغیر میں موجودگی نے اس خطے کی اہمیت کو یہاں کے لوگوں کے لیے بڑھا دیا۔ فلسطین کے مفتی اعظم انڈیا کے قوم پرست رہنماؤں اور لیڈروں کے درمیان اس زمانے میں محدود اور کمزور روابط پر پوری طرح سے اثر انداز تھے بلکہ وہ خود بنیادی طور پر اپنی سیاسی ساکھ کو مضبوط کر رہے تھے۔ مفتی صاحب نے یہود کے پناہ گزینوں کی فلسطین میں آمد کی بھرپور مخالفت کرتے ہوئے اس کا ذمہ دار براہ راست برطانیہ کو قرار دیا تھا۔ لہٰذا برطانوی ہند کو وہ اکثر انہی تقاریر و تحاریر میں سخت تنقید کا نشانہ بناتے۔

حکومت برطانیہ کے کچھ افسران معاہدہ بالفور کے مخالف تھے۔ ان کا نظریہ تھا کہ اگر فلسطین میں ایک یہودی ریاست بن گئی تو اسکے نتیجے میں انڈیا کے مسلمان حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونگے کیونکہ یہ مسلمان عرب خطے کے باہر ایک بہت بڑی تعداد میں آباد ہیں اور فلسطین کے بارے میں بہت حساس جذبات کے مالک ہیں۔ آگے چل کر فلسطین کا مسئلہ مسلمانان برصغیر کے سیاسی ایجنڈے میں شامل ہو گیا اور مسلم لیگ کی یہود دشمن پالیسی نے کانگرس کو بھی اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ بھی عربوں کے لیے ایک ہمدردانہ رویہ اپنائے۔

اُدھر یہودی رہنما یہ بھانپ چکے تھے کہ برصغیر کے مسلمانوں کی مسئلہ فلسطین میں دلچسپی سے معاہدہ بالفور کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اگر یہاں کے مسلمان مفتی اعظم کی حمایت کرنا ترک کر دیں تو اس مسئلے کو اسلام کا رنگ دینے کی کوششوں میں خاطر خواہ کمی آسکتی ہے اور

مفتی کا سیاسی ایجنڈا بھی ناکام ہوسکتا ہے۔اسی نقطہ کو مدنظر رکھ کر 1930 کے اوائل میں یہودی رہنماؤں نے برصغیر سے اپنے رابطوں کا آغاز کیا۔ان مجبور قسم کے روابط کا آغاز مہاتما گاندھی سے کیا گیا۔تاہم یہ روابط ناکام رہے تھے۔(کیونکہ مہاتما عرب کاز اور مسلمانوں کے حقوق سے ہٹ کر بات کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔)اس کے بعد سے یہودیوں نے مسلم رہنماؤں سے اپنے روابط کا آغاز کیا تھا تاکہ ان کے ایجنڈے سے فلسطین کو نکالا جاسکے اس قسم کی پہلی ملاقات جو سامنے آئی ہے وہ جنوری 1931ء مین یہودی لیڈر چیام ویزمان Chaim weizmann اور شوکت علی کے درمیان ہوئی تھی۔اس ملاقات کے خاطر خواہ نتائج کم ہی نکلے تھے مگر پھر بھی اس سے مسلمانوں کو اس مسئلے کو یہودی نقطہ نظر سے سمجھنے میں مدد ملی اور ان پر اس مسئلے کے بارے میں اعتدال سے سوچنے کی اہمیت واضح ہوئی۔

www.pakistanipoint.com

پاکستان، عرب، اسرائیل تعلقات کے حوالے
سے ایک پیچیدہ راستے پر گامزن ہے اور اس
کی رفتار نہایت سست ہے۔
یہودیوں کی رائے

www.pakistanipoint.com

www.pakistanipoint.com

فلسطین کی تقسیم کا منصوبہ

1947ء میں جب اقوام متحدہ کے سامنے فلسطین کے مستقبل کا مسئلہ اٹھایا گیا اور مباحثوں کا آغاز ہوا تو پاکستان نے اسے ایک سنہرا موقع سمجھتے ہوئے اپنی خارجہ پالیسی کا اعلان کیا اور اسے راہ پر ڈالا۔ جنرل اسمبلی میں اس بحث کا آغاز برصغیر کی تقسیم اور پاکستان کے قیام کے فوراً بعد ہوا تھا اور یہ پاکستان کی اقوام متحدہ میں شمولیت کے بعد بطور ایک آزاد ریاست کے لیے پہلا مشن تھا۔

یہاں اگر UN SCOP یعنی یونائیٹڈ نیشنز نیشنل کمیٹی اَن فلسطین نے انڈیا کی اس معاملے میں مدد کی کہ وہ مسئلہ فلسطین پر اپنی پوزیشن واضح کرے وہاں اس کمیٹی کی سفارشات جن پر جنرل اسمبلی میں بحث کی گئی تھی، کی روشنی میں پاکستان کو موقع ملا کہ وہ فلسطین کے مستقبل پر اپنی پوزیشن کا انڈیا کے معاملے میں تعین کرے۔

یہ کمیٹی لمبی بحث کے باوجود فلسطین کی تقسیم کے بارے میں ایک متفقہ قرارداد پاس کروانے میں ناکام رہی تھی۔ یہاں پر 7 ارکان پر مشتمل اکثریت اس بات کی پرزور حامی تھی کہ فلسطین کو دو ریاستوں عرب اور یہود میں تقسیم کر دیا جائے، جبکہ 3 ارکان کی ایک اقلیتی کمیٹی جس کی سربراہی انڈیا کر رہا تھا، کا خیال تھا کہ فیڈرل فلسطین کے نام سے ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے جس میں یہودی علاقوں کے لیے مناسب خودمختاری ہو۔ یہ دیکھتے

www.pakistanipoint.com

ہوئے اقوام متحدہ میں جنرل اسمبلی کی سیاسی کمیٹی نے دو اور سب کمیٹیاں کو تشکیل دیا تا کہ ان کا تجاویز کا تفصیلی مطالعہ کیا جا سکے۔ پاکستان کو ایسی ایک سب کمیٹی کا چیئرمین بنایا گیا جو فلسطین کو متحد رکھنے کے حق میں تھی اور اسے عربوں کی حمایت حاصل تھی۔ پاکستان کی نمائندگی اس کے پہلے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان کر رہے تھے۔ اپنے قانونی پس منظر پر تقریر کرتے ہوئے انہوں نے بڑی شدومد سے بحث کرتے ہوئے کہا کہ اقوام متحدہ کو اس بات کا کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس علاقے کو تقسیم کرے۔ انہوں نے اس اسلامی ممالک کے گروپ کی قیادت کی جو فلسطین کی تقسیم کا مخالف تھا۔ مگر جب وہ اس میں ناکام رہے تو انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ مجوزہ یہودی ریاست کو ایک کم رقبے میں ہونا چاہئے۔ جنرل اسمبلی میں ووٹنگ کے دوران انہوں نے تجویز دی تھی کہ عرب ریاست میں عربوں کی اکثریت ہو اور یہودی ریاست میں یہودیوں کی۔ بعد میں انہوں نے کہا تھا کہ اگر ان کی اس تجویز کو مان لیا جاتا تو کچھ یوں ہوتا:

> ''یہودی ریاست کا رقبہ عملی طور پر کم ہو کر انہی زمینوں تک محدود ہو کر رہ جاتا جو یہودیوں کی ملکیت تھیں یعنی اس سے یہودیوں کو اس زمین کا صرف 40% ملتا جو آج یہودی ریاست میں شامل کی جا رہی ہے اور اس نے عملی طور پر یہ ہونا تھا کہ یہودی ریاست کا ترتیب میں رہ جانا قریب قریب ناممکن ہو جاتا۔''

بلاشبہ ظفر اللہ خان تقسیم کے منصوبے کے زبردست مخالف بن کر ابھرے تھے۔ ایک اسرائیلی افسر نے ان کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کیے:

> ''بلاشبہ وہ کسی بھی ملک سے تعلق رکھنے والے ایک قابل ترین اور پر اثر شخصیت کے مندوب تھے۔''

www.pakistanipoint.com

پاکستان، اسرائیل تعلقات کی پس پردہ کہانی

تاہم سر ظفر اللہ خان یہاں پر برصغیر اور فلسطین کے درمیان موازنے سے اپنے
بچانے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے۔ انڈیا میں مسلم لیگ نے اس نقطے پر اپنی جد
چلایا تھا کہ مسلمان یہاں پر اکثریتی قوم ہندوؤں سے یکسر مختلف ہیں اور انہیں اپ
الگ مذہب کی پیروی کے لیے الگ ریاست کی ضرورت ہے اور وہ اس کے
ہیں۔ اب سوال یہ ابھرا کہ کیا سر ظفر اللہ یہ سمجھتے تھے کہ برصغیر میں مسلمانوں اور فلسطی
یہودیوں کے درمیان مماثلت اگر نظر آتی ہے تو وہ غلط ہے۔ اور غیر حقیقی ہے کیونکہ:

1: پاکستان کی آبادی 8 کروڑ (ان دنوں) ہے اور یہ فلسطین میں یہودیوں
کی آبادی سے 100 گناہ سے بھی زیادہ ہے۔ لہٰذا دونوں ممالک میں
آبادی کا یہ تناسب بہت بڑا فرق ہے۔

2 : برصغیر میں: جہاں اکثریتی پارٹی تقسیم کے حق میں نہیں تھی مگر آخر کار
اسے بھی اسے ماننا پڑا تھا۔ لہٰذا اگر اسی بات کا اطلاق فلسطین پر کیا جائے اور
دونوں فریق د (عرب اور یہودی) یہ خیال کریں کہ تقسیم ہی آخری حل ہے
تو پاکستان اس کے حق میں ووٹ دینے والا پہلا ملک ہوگا۔

3 : انڈیا میں مسلم اقلیت وہاں کی آبادی کا ایک مستقل جزو ہے۔ جبکہ
فلسطین میں یہودی اقلیت مصنوعی ہے۔ اسے جان بوجھ کر وہاں کی اکثریتی
عرب آبادی کی مرضی کے خلاف وہاں آباد کیا گیا ہے۔

4 : مسلمانوں نے برصغیر کے ان علاقوں کا مطالبہ کیا تھا جہاں ان کی
اکثریت تھی۔ جبکہ فلسطین میں یہودی ہر جگہ سوائے جافا (jaffa) کے ہر جگہ
ہیں، جو اس کی 14 میں سے ایک ڈسٹرکٹ ہے۔

سر ظفر اللہ نے بحث کچھ اس طرح سے کی:

www.pakistanipoint.com

''اقوام متحدہ اس اصول کی توثیق نہیں کرسکتی کہ ایک نسلی یا مذہبی اقلیت جو چاہے قومی تبدیلیوں کے نتیجے میں اور یا پھر تارکین وطن کی صورت میں ابھری ہو۔ یہ مطالبہ کرے کہ کسی کے وطن کو توڑ دیا جائے یا اس کی سیاسی، جغرافیائی اور معاشی اتحاد کو ہلا دیا جائے وہاں کی اکثریت سے پوچھے اور ان کی خواہشات کے برعکس''

یہ بہت اہم باتیں تھیں۔ ظفر اللہ خان نے بڑی آسانی سے بعض نسبتاً پیچیدہ متوازی پہلو نظر انداز کر دیئے۔ مشرقی اور مغربی پاکستان میں زمینی طور پر ایک وسیع فاصلہ ہے جس کے درمیان ایک ہزار کلومیٹر سے بھی زائد کا بھارتی علاقہ برصغیر کے رہنے والے مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اسلام کے نام پر بننے والے ملک پاکستان کا حصہ نہیں تھی۔ مزید یہ کہ عربوں کو تنقید کا نشانہ بنانے کی بجائے کہ انہوں نے اسرائیل کے لیے اقلیت کے حقوق تسلیم کرنے سے انکار کیوں کیا؟ انہوں نے دلیل یہ پیش کی کہ برصغیر میں تقسیم اس لیے قبول کر لی گئی کہ یہاں کی غیر مسلم آبادی نے اس تقسیم کو تسلیم کر لیا تھا۔ فلسطین میں ایسا اس لیے تسلیم نہیں کیا گیا کیوں کہ وہاں کی مسلم اکثریت نے اسے رد کر دیا۔ ایک تجزیہ نگار نے پاکستان کے اصل مسئلہ کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا:

''ہندوستانی مسلمانوں کو اس کے باوجود کہ تقسیم کے بعد حقیقی آزادی حاصل ہوئی، یہ حقیقت ہے کہ فقط ''تقسیم'' دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں۔''

پاکستانی رہنماؤں کو اس میں کوئی اعتراض نہیں تھا کہ وہ بھارت میں مسلم اقلیت کے حقوق کی حمایت کرتے۔ مگر فلسطین میں یہودی اقلیت کے انہی حقوق کا جب معاملہ ہو تو اس کی مخالفت کی جاتی ہے۔ دیگر عرب اور مسلم ممالک کی طرح پاکستان نے اقوام متحدہ

کے تقسیم کے اس منصوبے کی مخالفت کی تھی جس کے تحت یہودی ریاست کے قیام کو قانونی بنیاد مہیا ہوتی تھی۔ پاکستان نے اسرائیل کی اقوام متحدہ میں شمولیت کی بھی مخالفت کی تھی۔ اپنے قیام کے چندروز بعد اسرائیل نے پاکستان سے خود کو تسلیم کیے جانے کی درخواست کی۔ اس درخواست کا کوئی جواب نہ دیا گیا۔ بالآخر عوامی سطح پر پاکستان میں اسرائیل کی مخالفت جاری رہی اور فلسطین جدوجہد کی حمایت کا اعادہ کیا جاتا رہا مزید یہ کہ اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کا ارادہ بھی اپنی جگہ پر موجود رہا۔ اسرائیلی سمجھتے ہیں کہ اسی وجہ سے اب تک پاکستان، عرب، اسرائیل تعلقات کے حوالے سے ایک پیچیدہ راستے پر گامزن ہے اور اس کی رفتار بھی ظاہر ہے نہایت سست ہے۔

www.pakistanipoint.com

اس مسئلہ کو مشرق وسطیٰ کے اسلامی دنیا یا امریکی خارجہ پالیسی اور واشنگٹن کے دہرے معیار کے ساتھ جوڑ کر پالیسی مرتب کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ عربوں اور اسرائیل کے حوالے سے پاکستان کا ایک ملا جلا اور پیچیدہ سا ریکارڈ رہا ہے۔ حتیٰ کہ اس وقت سرکاری سطح پر اسرائیل مخالف پالیسیوں کا اظہار نہیں کیا جاتا تھا بلکہ متعدد پاکستانی رہنماؤں کا اسرائیل اور اُس کے عرب ممالک کے ساتھ تنازعات کے بارے میں رویہ امید افزا اور بھرپور قسم کا ہوتا تھا۔ براہ راست تعلقات کے ساتھ ساتھ دونوں ممالک مشرق وسطیٰ کے حوالے سے بعض انتہائی حساس نوعیت کے مسئلوں پر ایک جیسے موقف اپناتے۔ پاکستان چونکہ برصغیر کے مسلمانوں کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے اس لیے اس کی خارجہ پالیسی میں میں اسلام کی ایک نمایاں حیثیت ہے۔ بانی پاکستان محمد علی جناح سے لے کر متعدد راہنماؤں نے اسلامی دنیا کے ساتھ پختہ روابط کی اہمیت پر زور دیا اور مسلم امہ کی یکجہتی ضرورت کو اجاگر کیا۔ جس کے نتیجے میں مشرق وسطیٰ پاکستان کی خارجہ پالیسی کا انتہائی بنیادی حصہ بن چکا ہے اور وہ اسلام کی بنیاد پر مشرق وسطیٰ اور مسلم دنیا میں اپنے مفادات کو بڑھا رہا ہے۔ پاکستان کا یہ انداز 1971ء کے بعد زیادہ کھل کر سامنے آیا جب مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا جس سے پاکستان کی جغرافیائی شناخت کو دھچکا پہنچا۔ اس تقسیم سے پاکستان میں جہاں اپنے کھوئے علاقے کو دوبارہ حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا وہیں اس نے بیرونی ایجنڈے پر بھی توجہ مرکوز کی اور مشرق وسطیٰ کے مسلم ممالک اس کی خارجہ پالیسی کے بنیادی ہدف بن گئے۔ اسرائیل کے ساتھ تنازعات میں عربوں کی حمایت کرنا قدرتی طور پر ایک لازمی امر بن گیا اور فلسطین کے تقسیم کے منصوبے کی بھرپور مخالفت کرنا اس کی مجبوری کو ظاہر کرتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ بھارت نہ کہ اسرائیل، پاکستان کیلئے انتہائی تشویش کا باعث بن

گیا اور اس کی کوشش ہے کہ مشرق وسطیٰ میں نئی دہلی کے کردار کو اگر ختم نہیں تو کم از کم محدود ضرور کر دیا جائے۔ پاکستان کی اسلامی بلاک بنانے کی خواہش گو کہ اسرائیل مخالف نہیں ہے مگر یہ بھارت مخالف ضرور ہے۔ بھارت اگر اپنے سیکولر تشخص سے عربوں حمایت کر رہا ہے تو پاکستان یہی مقصد اسلام کے ذریعے حاصل کر رہا ہے۔ گو کہ عرب کبھی بھی مشکل حالات میں بھارت کے بھرپور حمایتی نہیں رہے۔ تاہم وہ پاکستان کی خاطر اسے مایوس بھی نہیں کرتے۔ بعض عرب رہنماؤں نے خطے میں اسلام کے نام پر اپنے مفادات کے فروغ پر پاکستان کی مذمت بھی کی۔ جیسا کہ مسلم ممالک کی قیادت کے بارے میں خفگی کا اظہار کرتے ہوئے ایک بار سعودی عرب کے شاہ فاروق نے اپنے قریبی دوستوں کی محفل میں کہا تھا کہ ''تم جانتے ہو اسلام نے 14 اگست 1947ء کو جنم لیا تھا۔''

مزید برآں مصری صدر جمال عبدالناصر کے بھارتی وزیراعظم پنڈت جواہر لعل نہرو سے ذاتی تعلقات پاکستان کو پسند نہیں تھے۔ 1956ء میں نہر سویز کے مسئلہ پر اور 1967ء میں عرب اسرائیل جنگ کے بعد پاکستان کے سست ردعمل کی اصل وجہ یہی مزکورہ دوستی تھی۔ 1967ء میں جمال عبدالناصر کی شکست تک عرب دنیا میں قومیت کی بنیاد سوشلزم تھی نہ کہ اسلام جس میں عربوں کا سیاسی ایجنڈا نمایاں ہے۔ بعض اہم عرب ممالک کی جانب سے امریکی حمایت یافتہ عسکری اور سیاسی اتحاد کی مخالفت حقیقی اور بھرپور نوعیت کی ہے۔ امریکی اتحادوں کو سراہنا یا ان میں پاکستان کی شمولیت مشرق وسطیٰ کے مروجہ رجحان سے مطابقت نہیں رکھتی جس کے نتیجے میں پاکستان کا رویہ جھولتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ پاکستان کی رائے عامہ کے بعد یہ جھول مزید واضح ہو جاتا ہے۔

عرب حمایت کی جستجو میں پاکستان نے اسرائیل کو 1955ء کی ہندو نگ کانگریس سے

خارج کرنے اور تیسری دنیا کے بلاک سے اس کی علیحدگی میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ افریقی ایشیائی ممالک کی کانفرنس کا بنیادی تصور انڈونیشیا کی طرف سے سامنے آیا تھا۔ دسمبر 1954ء میں برما (اب میانمر) سیلون (بعد میں سری لنکا) انڈونیشیا اور پاکستان بگور میں اکٹھے ہوئے۔ سیلون نے اس کانفرنس کا ایجنڈا طے کرنا تھا اور اس کے علاوہ یہ فیصلہ بھی کہ کس کس کو بلایا جائے۔ اصولی طور پر شرکاء متفق تھے کہ اس کانفرنس میں ایشیا اور افریقہ کے تمام ایسے ممالک کو دعوت دی جائے جو خود مختار حکومت رکھتے ہیں۔ اس وقت متعدد ممالک نے عوامی جمہوریہ چین کو بحیثیت ایک آزاد و خود مختار ملک تسلیم نہیں کیا تھا۔ لہٰذا فیصلہ ہوا کہ کسی بھی ملک کو دعوت دیتے ہوئے یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ دوسرے شامل نہیں کیا گیا۔ جس کا مقصد اس کو یہ باور کرانا تھا کہ کوئی دوسرا ملک اس کے بارے میں کیا نظریات رکھتا تھا۔ ہندونگ کانفرنس سے اسرائیل کو خارج کرانے میں عرب ممالک کی بائیکاٹ کی دھمکی نے اہم کردار ادا کیا تھا تاہم اس حوالے سے پاکستان کی کوشش بھی یہی تھی۔ وی کے کرشن میمن کے مطابق جو پنڈت جوہر لعل نہرو کے بااعتماد ساتھی تھے اور بعد میں بھارت کے وزیر دفاع بنے۔ برما، بھارت اور سری لنکا نے اسرئیل کو مذکورہ کانفرنس میں بلانے کی حمایت کی تھی جب کے انڈونیشیا اور پاکستان نے اس کی مخالفت کی۔ حتیٰ کہ انڈونیشا کو بھی منوایا جاسکتا تھا۔

کرشن میمن نے مائیکل بریشر کو بتایا:

"پاکستان نے عرب ممالک کے ساتھ مل کر جو پروپیگنڈا کیا اس سے ہندونگ کانفرنس میں اسرائیل کی موجودگی ہمارے لیے بھی بھاری ہوگئی۔ ایک سال بعد نہر سویز کے بحران نے پاکستان کیلئے ایک سنگین مسئلہ پیدا کردیا۔ جمال عبدالناصر کے نہر سویز کو قومیائے جانے کے فیصلے پر

22 ممالک بشمول پاکستان لندن میں اکٹھے ہوئے تاکہ اس فیصلے کے مضمرات پر غور کر سکیں۔ جبکہ تیسری دنیا کے دیگر ممالک جیسا کہ سیلون، بھارت اور انڈونیشیا نے دوسری نشست میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ جس سے اُن ممالک کے مصر سے پُرامن تعلقات کی فضا قائم ہوئی۔ پاکستان کا جھکاؤ مغربی طاقتوں کی طرف ہو گیا۔"

لندن میں ہونے والے اس اجلاس میں پاکستانی وزیر خارجہ فیروز خان نے اعلان کیا:

"اسرائیل کو انتظار کرنا ہوگا۔"

تیسری دنیا سے اظہار یکجہتی کی بدولت پاکستانی عوام مصر سے قریب تھی مگر پاکستانی حکومت برطانیہ اور امریکہ سے ہونے والے نئے اتحاد کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتی تھی۔۔ جس کے نتیجے میں پاکستانی عوام نے مصری صدر جمال عبدالناصر کی کھل کر حمایت کی جب کہ حکومت بڑے محتاط انداز میں مغرب کی حمایت کر رہی تھی۔ مختصر یہ کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک دوسرے اسلامی ملک کے خلاف مغرب کی ہم نوا بن گئی۔

حکومت پاکستان اگر مصر کے مسئلے پر مغربی پالیسی اپناتی تو اس کے سفارت کار ایک قدم اور آگے جاتے اپنی نجی محفلوں میں پاکستانی سفارت کار جمال عبدالناصر کے خلاف اسرائیلی اقدامات کی کھل کر حمایت کرتے۔ ایک ایسی ہی گفتگو کے دوران جو مصر اسرائیل جنگ کے چند ہفتوں کے بعد 23 دسمبر 1956ء میں اوٹاوا میں ہوئی، اس وقت تک اسرائیل کی صنعائی سے واپسی نہیں ہوئی تھی۔ کنیڈا میں بھارتی سفارت خانے نے وزیراعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کے اعزاز میں استقبالیہ دیا۔ اس میں پاکستان اور اسرائیل کے سفارت کاروں کو بھی دعوت دی گئی۔ پاکستانی ہم منصب سے ہونے والی گفتگو کے حوالے سے اسرائیلی سفیر نے بتایا:

"پاکستانی ہائی کمشنر مرزا عثمان علی بیگ مہمانوں کے بیچ میرے قریب آئے۔ ہاتھ ملایا اور بڑی گرم جوشی سے مصر کے خلاف اسرائیلی فوج کی کامیابی پر مبارک باد دی۔ انہیں (پاکستانی ہائی کمشنر) ایک ہی افسوس تھا کہ برطانیہ اور فرانس نے مداخلت کی ورنہ ہم (پاکستان اور اسرائیل) مصر کے حوالے سے درست پالیسی پر گامزن ہو سکتے تھے۔ ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے میں نے اظہار افسوس سے کہا کہ ان کی حکومت نے ان جذبات کا واضح اظہار کبھی نہیں کیا بلکہ ہمارے لیے ہمیشہ ایک عداوت کا ہی اظہار ہوتا رہا۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ سارے پاکستانی عربوں کے حمایتی یا اسرائیل مخالف نہیں وہ خود بھی یہ خوب سمجھتے ہیں کہ جمال عبدالناصر کس قسم کا خطرہ تھے۔ انہوں نے اس امید کا بھی اظہار کیا کہ ایک دن پاکستان اور اسرائیل کے درمیان تعلقات معمول پر آجائیں گے اور اس حوالے سے ترکی بہتر کردار ادا کر سکتا ہے کیوں کہ اس کے دونوں ممالک سے تعلقات ہیں۔ جب میں نے تجویز دی کہ اس پر ہم دونوں مزید پیش رفت کر سکتے ہیں تو انہوں نے اس کو سراہا۔"

اگلے برس مارچ میں پاکستانی ہائی کمشنر مرزا عثمان علی بیگ نے فرانسیسی سفارت خانے کی جانب سے دیئے گئے ایک استقبالیہ میں اسرائیلی سفیر ایم ایس گومے سے اسی نوعیت کے جذبات کا اظہار کیا۔

پاکستانی رویے سے برانگیختہ ہو کر مصری صدر جمال عبدالناصر نے صفائی سے اسرائیلی فوج کے جانے کے بعد اقوام متحدہ کی زیر نگرانی ایمرجنسی فورس سے پاکستان کو خارج کرا دیا۔ دونوں ممالک میں کشیدگی چلتی رہی اور 1967ء کی جنگ کے دوران پاکستان

نے عربوں کی حمایت میں خود کو محض الفاظ تک ہی محدود رکھا۔

جمال عبدالناصر اور اس کے عرب قومیت والے تشخص کی شکست اور اسلام کا سیاسی حوالے سے ظہور پاکستان کو عرب اسرائیل تنازعہ میں دوبارہ لے آیا۔ اسلامی ممالک کی تنظیم (او آئی سی) کے قیام نے پاکستانی حیثیت کو مستحکم کیا۔ پاکستان نے عرب ممالک کی سیاسی حمایت کی روایتی پالیسی کو خیر باد کہتے ہوئے عرب اسرائیل تنازع میں بھرپور طریقے سے شامل ہوگیا۔ 1973ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیلی وزیر دفاع موشے دریان نے الزام عائد کیا تھا کہ پاکستانی پائلٹ اردونی جہازوں کے ذریعے جنگ میں حصے لیتے رہے۔ پاکستان کی رائے عامہ کے مطابق ''اس جنگ میں پاکستانی پائلٹ شام کی فضائی حدود کی حفاظت کرتے رہے اور حتیٰ کہ انہوں نے ایک اسرائیلی جہاز بھی مار گرایا۔'' وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے شام کے صدر حافظ الاسد سے وعدہ کیا تھا کہ ''اگر دمشق کو صہیونیت سے خطرہ ہے تو وہ اپنی فوج کا ایک بریگیڈ آپ کے ساتھ ساتھ شانہ بشانہ لڑنے کے لیے بھیج دیں گے۔'' اس دوران اسلامی ممالک کی تنظیم (او آئی سی) کی دوسری کانفرنس منعقد ہوئی 1947ء فلسطینی بریشن آرگنائزیشن (پی ایل او) کو فلسطینی عوام کی نمائندہ تنظیم کے طور پر تسلیم کرلیا گیا۔ مشرق وسطی میں پاکستان کے متحرک کردار سے بعض مواقع پر اسرائیل کو فائدہ بھی ہوا ہے۔ پاکستانی فوجیوں نے متعدد اسلامی ممالک میں خدمات انجام دی ہیں۔ بعض ممالک میں وہ اندرونی بغاوت کو دبانے میں بھی معاون رہے۔ ایسا کرنے سے خطے میں اسرائیل کے طویل المدتی مفادات کو تقویت ملی۔ ضیاء الحق اکثر خود کو فلسطینی تحریک کا روح رواں کہتے ہیں۔ ان کی شاہ حسین کیلئے حقیقی ''خدمات'' کیا تھیں۔ بحیثیت بریگیڈیئر انہوں نے ستمبر 1970ء میں پاکستانی فوجی دستے کی قیادت کی تھی جو فلسطینی بغاوت کو کچلنے کیلئے اردنی فوج کے ساتھ شامل ہوا تھا۔

پاکستان نے اسرائیل سے معاہدہ امن کے بعد مصر کو عرب دنیا میں دوبارہ داخل کرانے میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ متعدد عرب ممالک کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کے بھرپور مخالف تھے جب کہ بعض ممالک نے مصر سے تعلقات بھی ختم کر لیے تھے۔ مصر سے نہ صرف سفارتی تعلقات منقطع کر لیے گئے بلکہ ایک بانی ملک اور اہم رکن ہونے کے باوجود اس کو عرب لیگ سے بھی الگ کر دیا گیا۔ اس سے خطے میں امن کیلئے امریکی کوششوں کو شدید دھچکا لگا۔ مصر کی سیاسی اور سفارتی تنہائی نے پاکستان کے صدر ضیاء الحق کیلئے انتہائی اہم موقع فراہم کر دیا۔ 1984ء میں کاسابلانکا ہونے والی او آئی سی کی چوتھی کانفرنس کے دوران انہوں نے بڑی ہشیاری سے مصر کو دوبارہ اسلامی دنیا میں شامل کر دیا۔ ضیاء الحق کا موقف تھا کہ مصر کو الگ تھلگ کرنے سے مسلم دنیا اور فلسطین تحریک کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ مصر کو اسلامی دنیا کے اس فورم کے واپس لانے کے حوالے سے ان کا کہنا تھا کہ "پاکستان کسی کی طرف داری کرنا چاہتا ہے اور نہ ہی کسی خاص نظریے کا پرچار کر رہا ہے۔"

مصر کی او آئی سی میں دوبارہ شمولیت سے اس کی عرب لیگ میں ہی دوبارہ شمولیت کی راہ ہموار ہوئی اور اسے اس تنظیم میں ایک بار پھر قائدانہ کردار ادا کرنے کا موقع ملا۔ بعض معاملات میں جیسا کہ امریکی امداد کا معاملہ ہے۔ اس میں 1950ء کی دہائی سے کبھی پاکستان اور اسرائیل کے درمیان تعاون اور اعتماد کی فضا قائم نہیں ہوئی۔ ایک غیر عرب ملک امریکہ کے انتہائی قریب ہونے سے اسرائیل کو عرب ممالک کی امریکی امداد کم کرانے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ جب امریکی انتظامیہ میں مشرق وسطیٰ کو عسکری امداد دینے کیلئے بحث ہوئی تو اسرائیل پاکستان کی طرح امداد کا خواہاں تھا تاکہ عرب ممالک کی امداد کا حجم ازخود کم ہو جائے۔ اس ضمن میں امریکی انتظامیہ کی رائے تھی کہ جو اسلحہ پاکستان کو دیا

جارہا ہے، اسرائیل کے لئے کسی بھی حوالے سے خطرہ نہیں ہونا چاہئے۔ واشنگٹن میں ایک اسرائیلی اہلکار نے وزیر خارجہ موشے شیرٹ کو بتایا کہ "اب اگر عربوں کی روٹی پر امریکہ نے عسکری مکھن لگایا تو اس کی تہہ بہت ہلکی ہوگی کیوں کہ 30 ملین ڈالر امداد پاکستان اور اسرائیل کے لیے مختص ہے۔"

اسی طرح 50ء کی دہائی کے اوائل میں امریکہ امید کر رہا تھا کہ پاکستان، عراق، شام اور اسرائیل جیسے ممالک کو معقول مقدار میں عسکری امداد دینے سے کمیونزم کے خلاف خطے میں ایک منظم طاقت قائم کی جاسکتی ہے۔ اسرائیل کو اس بلاک میں شامل کرنے کی پرزور حمایت کی گئی۔ حتیٰ کہ پاکستانی وزیر خارجہ ظفر اللہ خان کا خیال تھا کہ مشرق وسطیٰ کی ایسی دفاعی تنظیم اسرائیل کے بغیر موثر نہیں ہوگی۔ مصر کے صدر جمال عبدالناصر کی سرکردگی میں عرب قومیت پسندوں کی مخالفت نے بغداد معاہدے میں اسرائیل کی شمولیت کو ناممکن بنادیا۔ معاہدہ بغداد سینٹو کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ امریکہ کی جنوبی ایشیاء میں متواتر مداخلت اور پاکستان کی اس خطے میں انتہائی مصروفیت سے اسرائیل کو مذکورہ عسکری معاہدے میں پاکستان کی شمولیت سے کوئی خاص خطرہ محسوس نہیں ہوا۔

www.pakistanipoint.com

عوامی پہلو کے پیش نظر پاکستان کا رسمی رجحان عرب نواز
ہے تاہم اس ملک کے قائدین اسرائیل کے معاملے
میں زیادہ سخت موقف کے حامل نہیں ہیں۔
اسرائیلی راہنما

www.pakistanipoint.com

پاک اسرائیل تعلقات اور تنازعات

پاکستان کی مشرق وسطی کے متعلق پالیسی کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے ایک تجزیہ نگار کا کہنا ہے کہ "مغربی معیارات کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو انتہائی حساس مواقع پر پاکستانی رہنماؤں کا ردعمل روایتی سا رہا ہے۔ جیسا کہ 1956ء میں نہر سویز کا بحران اور 1967ء میں عرب اسرائیل تنازعہ۔ یہ رویہ پاکستان کی بعض کلیدی شخصیات کی بدولت رہا جیسا کہ آئندہ سطور میں بیان کیا جائے گا۔ عوامی پہلو کے پیش نظر پاکستان رسمی رجحان عرب نواز ہے تاہم اس ملک کے قائدین اسرائیل کے معاملے میں زیادہ سخت موقف کے حامل نہیں ہیں۔

ظفر اللہ خان

پاکستان کے اس مثبت رویے کا آغاز حیرت انگیز طور پر سر ظفر اللہ خان کیساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے جنہوں نے اسلامی ممالک کی طرف سے اقوام متحدہ کے تقسیم کے منصوبہ کی مخالفت کی تھی۔ ستمبر 1945ء میں جب برطانیہ نے مسئلہ فلسطین نئی بننے والی اقوام متحدہ کے حوالے کیا۔ ظفر اللہ خان نے اسی وقت فلسطین کا دورہ کیا تھا۔ اس چھ روزہ دورے سے قبل وہ لندن میں چائم وائز مین سے ملے اور فلسطین کے مستقبل کے حوالے سے گفتگو ہوئی۔ اس ملاقات کے بعد وائز مین نے ایک اسرائیلی اہلکار سے کہا کہ ظفر اللہ

خان کے دورہ فلسطین کے دوران ان کی مصروفیات سے ظاہر ہو جائے گا کہ وہ ہمارے ساتھ کس حد تک متفق ہیں اور ان کے ساتھ ہم کہاں تک چل سکتے ہیں۔اس دورے سے واپسی پر ظفر اللہ خان نے ایک یہودی رہنما کو لکھا:

"مسئلہ فلسطین میری توقعات سے زیادہ پیچیدہ نکلا تاہم ہمیں یہ امید رکھنی چاہیئے کہ اس مسئلہ کا باوقار منصفانہ حل جلد ہی سامنے آئے گا۔"

فلسطین کی تقسیم کے اقوام متحدہ کے منصوبے کے چند ہفتے بعد قدامت پسند اُریل معائید (جو اس وقت لندن میں خفیہ تنظیم کیلئے کام کر رہا تھا) نے تبصرہ کیا کہ ظفر اللہ خان کے موقف میں واضح تبدیلیاں آئی ہے جو اس حوالے سے اہم ہے کہ وہ پاکستان کے لیے وزیر خارجہ تھے۔دمشق میں اپنی ملاقات کے دوران سر ظفر اللہ خان جو مذکورہ تقسیم کے معاہدے کے بھرپور مخالف تھے اس بات کے قائل ہو چکے تھے اور انہوں نے یہ اشارہ بھی دیا کہ تقسیم ہی اس مسئلہ کا واحد حل ہے۔انہوں نے حتیٰ کہ عرب رہنماؤں کو اس حوالے سے قائل کرنے کی بھی کوشش کی کہ وہ اسرائیلی انتظامیہ کو اس ضمن میں کام کرنے دیں۔ظفر اللہ خان کے بدلتے ہوئے موقف سے حوصلہ پا کر جنوری 1948ء میں چائم وائز مین نے پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کو ایک خط لکھا جس میں نئی وجود میں آنے والی فلسطینی ریاست اور پاکستان میں پائی جانے والی مماثلتوں کی طرف اشارہ کیا گیا اور یہ امید ظاہر کی گئی کہ یہ نئی ریاست پاکستان کی تقلید کرے گی۔خط میں کہا گیا کہ ہمارے درمیان بہت سی اقدار مشترک ہیں۔لہٰذا اس بات کا قومی امکان ہے کہ ہم سب مل جل کر پُرامن طریقے سے رہ سکتے ہیں۔

اسرائیلی ریاست کے قیام سے تقریباً ایک ماہ قبل وہ دونوں رہنما 12 اپریل 1948ء کو نیویارک میں ملے۔اس ملاقات میں پاکستان کی طرف سے تقسیم کے منصوبے کی مخالفت

www.pakistanipoint.com

سامنے نہیں آئی۔ فروری 1952ء میں مصر کے سرکاری دورے کے دوران پاکستانی وزیر خارجہ نے اعلان کیا کہ اسرائیل مشرق وسطی کا دھڑ ہے۔ مزید یہ کہ انہوں نے مسئلے کے پُرامن حل پر زور دیا۔ اس طرح کے بیانات انہوں نے بعد میں بغداد اور کراچی میں بھی دیئے۔ وزیر خارجہ سطح کی شخصیت کا اپنے اہم مسلمان ملک کے دورے کے دوران جو تقسیم کے منصوبے کا بھرپور مخالف ہوں، اس نوعیت کا بیان دینا اسرائیل کیلئے تجسس کا باعث بنا کہ وہ اس فضا کو قائم رکھے اور اس مسئلے کو آگے بڑھائے۔

عرب اور اسلامی دنیا اسرائیل کے ساتھ تعلقات بڑھانے کی خواہاں نہیں تھی۔ تاہم اسرائیل پاکستان کے ساتھ دوطرفہ تعلقات استوار کرنے کا خواہش مند ضرور ہو گیا۔ بھارت کی طرف سے اسرائیل کو تسلیم کیے جانے میں تامل اور اس کو بہتر حالات سے جوڑنا بھی اسرائیل کیلئے ایک اضافی محرک بنا۔ بعض اسرائیلی حکام کا خیال تھا کہ پاکستان بھارت پر قبضہ کرنے کے بعد اسرائیل سے تعلقات استوار کرے گا۔ 1994ء کے اواخر میں ایبا ایبان کی ایک رپورٹ کے مطابق "اقوام متحدہ میں پاکستان کے نمائندے اس بات کی تیاری کرتے رہے کہ وہ بھارت سے پہلے اسرائیل کو تسلیم کر کے الجھن میں ڈال دیں گے۔"

آسٹریلیا کے ایک سفارت کار نے اس قسم کے جذبات کا اظہار کیا اور چند سفارت کاروں نے اسرائیل کو تسلیم کرنے کیلئے پاکستان کو اپنی خدمات بھی پیش کیں۔

7 اپریل 1952 ایبا ایبان جو اقوام متحدہ میں اسرائیل کے مستقل نمائندے اور امریکی سفیر تھے، سیاسی کونسلر گڈان رافیل کے ہمراہ اپنے پاکستانی ہم منصب اے ایس بخاری (پطرس بخاری) سے ملے اور وزیر خارجہ ظفر اللہ خان کے مذکورہ بیان کے حوالے سے گفتگو کی۔ ایبان کے مطابق اس گفتگو میں عرب نقطہ نظر حاوی رہا اور دوطرفہ تعلقات

www.pakistanipoint.com

کے حوالے سے خاموشی ہی رہی۔

اس گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے ایبا ایبان اور گڈان رافیل 14 جنوری 1952ء کو وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان سے نیویارک میں ملے اور پاکستان کی طرف سے اسرائیل کو تسلیم کیے جانے کے مسئلہ پر گفتگو کی۔ پاکستانی وزیر خارجہ نے انکشاف کیا کہ ان کی حکومت اپنی سابقہ حکومت کے موقف سے پیچھے ہٹ چکی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خواجہ ناظم الدین کی حکومت لیاقت علی خان کی حکومت کی نسبت کمزور ہے اور انتہا پسند پاکستانیوں کا دباؤ برداشت نہیں کر سکتی۔ انہوں نے اسرائیلی سفارت کار کو بتایا کہ وہ بذات خود اپنے معتدل نظریات کی وجہ سے حملے کا شکار ہو چکے ہیں۔ بظاہر دونوں ریاستوں میں کوئی مخاصمت نہیں اس کے باوجود ظفر اللہ خان کا خیال تھا کہ پاکستان اور اسرائیل کے درمیان معمول کے تعلقات قائم نہیں ہو سکتے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا یہ بھی اصرار تھا کہ پاکستان کو اسرائیل مخالف بھی نہ سمجھا جائے۔ انہوں نے یاد دلایا کہ کراچی میں مقیم یہودی برادری کی قلیل تعداد کو اسرائیل مخالف مظاہروں میں کبھی کوئی زد نہیں پہنچی۔ پاکستانی وزیر خارجہ کے مطابق ان کا ملک عرب ممالک اور اسرائیل کے درمیان مصالحتی کردار ادا کر سکتا ہے اور اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے سے اس کی اس حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مذکورہ ملاقات میں سر ظفر اللہ خان نے سفارت کاروں کے ساتھ ساتھ پاکستانی اور اسرائیلی ماہرین اور طلباء کے روابط قائم رکھنے پر بھی زور دیا۔ عرب ممالک سے پاکستان کے گہرے روابط اور ظفر اللہ خان کی اپنے ہی عوام کی طرف سے بھرپور مخالفت کے بعد اسرائیل نے ان سے متواتر رابطہ نہ رکھنا ہی مناسب سمجھا۔ اسرائیلی وزارت خارجہ کے ڈائریکٹر جنرل نے ایبا ایبان کو ایک خفیہ خط میں لکھا کہ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اب بھی ایک احمدی (سر ظفر اللہ خان) سے مزید ملاقات کا کوئی جواز باقی ہے۔ یہ

وقت ہے کہ پاکستان اپنا اعادہ کرے اور عربوں کے سر پر نہ ناچے۔ اس سے پیشتر ظفر اللہ خان وزارت خارجہ چھوڑنے کے بعد ہیگ میں عالمی عدالت انصاف سے وابستہ ہو چکے تھے۔

ذوالفقار علی بھٹو

محمد علی جناح کے بعد دوسری کرشماتی شخصیت ذوالفقار علی بھٹو کی تھی جنہوں نے پاکستانی سیاست میں اہم کردار ادا کیا۔ حتیٰ کہ 1979ء میں ان کی پھانسی کے بعد بھی ان کی مقبولیت میں کمی نہ آئی۔ وزیر خارجہ کے طور پر اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کرنے والے ذوالفقار علی بھٹو نے دو دہائیوں تک پاکستانی سیاست میں راج کیا اور باقی دنیا بھی انہیں ایک مقبول ترین سیاسی رہنما کے طور پر جانتی تھی۔ ان کے بارے میں عام طور پر یہی خیال کیا جاتا ہے کہ ظفر اللہ خان کی طرح وہ بھی یہودی ریاست کے قیام کے بھرپور مخالف تھے۔

ان کے سوانح نگار سٹینلے وولپرٹ کا خیال ہے کہ بحیثیت وزیر خارجہ اکتوبر 1965ء میں انھوں نے اپنی وزارت کے عملے کو متنبہ کیا تھا۔ انھیں بتایا گیا تھا کہ بھارت اسرائیل کے قریب ہو رہا ہے کیوں کہ کاسابلانکا کی اسلامی ممالک کی کانفرنس میں عرب ممالک نے 1965ء کی جنگ کے حوالے سے پاکستان کی بھرپور حمایت کی تھی۔ بھارت امریکہ میں یہودی لابی کا اثر و نفوذ استعمال کرنا چاہتا تھا۔ زلفی نے اپنی وزارت خارجہ کو چوکس کر دیا تھا کہ اسرائیل بھارت اور امریکہ کی پشت پناہی میں متحرک ہو چکا ہے۔"

بھٹو کے ایک اور دوست کا خیال تھا کہ وہ دو حوالوں سے بہت مضبوط تھے۔ ایک پاکستان کو عظیم منزل سے ہمکنار کرنے اور دوسرا اسرائیل کانفرنس۔ 1974ء میں بحیثیت

www.pakistanibook.com

میزبان مسلم ممالک کو بریفنگ دیتے ہوئے ان کی سفارت کاری عروج پر تھی۔اس موقع پر ان کا کہنا تھا کہ بیت المقدس پر اسرائیلی تسلط کے حوالے سے کسی بھی معاہدے یا اس کو کسی بھی غیر مسلم یا غیر عرب ملک کے حوالے کرنے کی تجویز ان کے نزدیک محض ایک کاغذی بات ہوگی۔تاہم سابقہ ریکارڈ کا اگر بغور جائزہ لیں تو بھٹو کی تصویر کا ایک دوسرا رُخ سامنے آتا ہے۔کم از کم ان کے ابتدائی دنوں کے حوالے سے خارجہ پالیسی سے ان کا سابقہ اس وقت پڑا جب وہ ستمبر 1957ء میں سر فیروز خان نون کی سربراہی میں اقوام متحدہ جانے والے وفد میں شامل کیے گئے۔اگلے برس وہ جنیوا میں ہونے والی اقوام متحدہ کی کانفرنس میں پاکستانی وفد کے چیرمین بنا دیئے گئے جہاں ان کی ملاقات اپنے اسرائیلی ہم منصب شبتائی روزے سے ہوئی جن کے ساتھ انہوں نے کھانا بھی کھایا۔یہ ان کی پہلی ملاقات نہیں تھی۔بھٹو سر گاڈ فرے ڈیوس کو جانتے تھے۔جو روزنے کی والدہ کے کزن تقسیم ہند سے قبل سندھ ہائی کورٹ میں چیف جج رہ چکے ہیں۔کھانے کی میز پر ذوالفقار علی بھٹو سے ہونے والی گفتگو کے متعلق روزنے نے بتایا کہ بھٹو نے عربوں کیلئے اپنی ناپسندیدگی کو چھپایا نہیں اور نہ ہی ان کی سیاسی بصیرت کو سراہا۔اسرائیل کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ یہ ایک سیاسی حقیقت ہے اور یہ پاکستان کے اپنے مفاد میں ہے کہ وہ اسے حقیقت کو تسلیم کرلے۔عمومی طور پر وہ اسرائیل کی عسکری اور سماجی حیثیت سے متاثر تھے اور مجھے محسوس ہوا کہ وہ اپنے جذبات کے اظہار میں مخلص ہیں جب انھوں نے اسرائیل نہ آنے کی مجبوری ظاہر کی۔روزنے کے مطابق بھٹو کا خیال تھا کہ پاکستان آپ کے اور عرب ممالک کے درمیان ثالثی کیلئے مثبت کردار ادا کرسکتے ہے۔دوسری جانب انھوں نے یہ اعتراف بھی کیا کہ سر ظفر اللہ خان نے یہ کام خوش اسلوبی سے انجام دیا جب انہوں نے اقوام متحدہ میں پرجوش انداز میں عرب موقف کی حمایت کی۔انہوں نے اس

بات پر بھی اتفاق کیا کہ اگر پاکستان ان خطوط پر چلنا چاہتا ہے تو پھر اسے اسرائیل کے معاملے میں عوامی سطح پر اپنی پالیسیوں کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔ مزید یہ کہ آپ عرب ممالک کو بھی باور کرائیں کہ وہ تحمل کا مظاہرہ کرنا سیکھیں۔ بھٹو نے کہا کہ اس وقت پاکستان کشمیر کے مسئلہ کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکتا اور وہ جلد ہی اس مسئلہ کی حمایت حاصل کرنے کیلئے جنوبی امریکہ کا دورہ کرنے والے ہیں۔ تاہم میں نے انھیں کہا کہ اگر حالات ساز گار رہے تو ممکن ہیں ان کا ملک آپ کو کوئی پیش کش کر سکے۔"

اپنی بے باک شخصیت کے باعث بھٹو، روزنے کو دیگر سفارت کاروں کے بیچ پرانے دوستوں کی طرح لگے۔ گو کہ نجی سطح کی ملاقات میں انہوں نے جن ذاتی خیالات کا اظہار کیا تھا انھیں بعد میں کوئی باضابطہ شکل نہ دے سکے۔ تاہم بھٹو کے متعلق ہمیں یہ امر ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے کہ وہ 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے وقت فیلڈ مارشل ایوب کی کابینہ میں وزیر خارجہ تھے۔

جنرل ضیاء الحق

اسلامی جمہوریہ پاکستان اور صہیونی ریاست اسرائیل کا واضح تقابل جنرل ضیاء الحق کے دور میں سامنے آیا۔ سیاسی پس منظر نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے اسلام کو اپنے سیاسی استحکام کیلئے بھرپور استعمال کیا۔ خود کو ایک سادہ نیک خو اور مخلص مسلمان کے روپ میں پیش کر کے انتہا پسندی کو پاکستان میں قانونی حیثیت دی۔ ایسا کرتے ہوئے انہوں نے خود حیرت انگیز طور پر پاکستان کو اسرائیل سے مماثل قرار دیا۔ 1981ء کے اواخر میں انہوں نے بیان دیا کہ "پاکستان اسرائیل کی طرح ایک نظریاتی ریاست ہے۔ یہودیت کو اسرائیل سے نکال دیا جائے تو پیچھے کیا رہ جائے محض ایک ردی خانہ اس

www.pakistanipoint.com

طرح پاکستان میں سے اگر اسلام کو نکال دیا جائے تو یہ ایک سیکولر ریاست بن کر اپنے خاتمے سے دوچار ہو جائے گا۔

مارچ 1986ء میں انہوں نے فلسطین کی تحریک آزادی کی تنظیم ایل او سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اسرائیل کو تسلیم کر لے اکبیان نے ساری دنیا کو حیران کر دیا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ بحیثیت بریگیڈیر وہ 1970ء فلسطنیوں کی بغاوت کچلنے کیلئے اردنی فوج کی معاونت اور مصر کو اسلامی دنیا میں واپس لانے میں اپنا کردار ادا کر چکے ہیں۔ ان کے اس کردار سے کوئی بھی خوش نہیں تھا۔

مارچ 1997ء کو اسلام آباد میں منعقد ہونے والی اسلامی ممالک کی کانفرنس کے موقع پر انگریزی اخبار ''دی مسلم'' نے اپنے اداریے میں لکھا کہ ''اپنے گناہ پر نادم نہ ہونے والے ملک مصر کو دوبارہ اسلامی ممالک کی تنظیم میں شامل کرنے کیلئے پاکستان کو استعمال کیا گیا اور جنرل ضیاء الحق کے سیاسی وارث غیر قانونی اور غیر اخلاقی صہیونی ریاست اسرائیل کو قانونی اور اخلاقی جواز مہیا کرنے میں مصروف ہیں۔''

بے نظیر بھٹو اور میاں نواز شریف

80ء کی دہائی کے اواخر میں جبکہ سرد جنگ کا خاتمہ ہو چکا تھا اور پاکستان میں جمہوریت دوبارہ متعارف ہوئی تھی۔ اسرائیل کے حوالے سے نئے رجحانات سامنے آئے۔

گو کہ اسرائیل کے حوالے سے پاکستان کی پالیسی میں یکسر تبدیلی تو نہیں آئی تاہم حالات معمول کی طرف آنے لگے اور عوامی سطح پر اس حوالے سے نئے مباحث کا آغاز ہوا۔ اپنے اپنے ادوار حکومت میں محترمہ بے نظیر بھٹو اور میاں محمد نواز شریف نے اسرائیل کے معاملے میں توجہ دینے کا اشارہ دیا۔ 1994ء میں وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کی جانب

www.pakistanipoint.com

سے غزہ کی پٹی کے دورے کی خواہش اسرائیل کے متعلق پاکستانی پالیسی کے حوالے سے ایک ہم پیش رفت تھی۔ انہوں نے فلسطین کے لیے اپنی حمایت کا اعلان کرتے ہوئے اس عزم کا اعادہ بھی کیا کہ وہ فلسطینی علاقے کا دورہ کرنے والی غیر ملکی رہنما کا اعزاز حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ تاہم یہ اعزاز ترکی کی قانونی وزیر اعظم تانسو چلر کے حصے میں آیا۔

غزہ کی پٹی کے دورے کا معاملہ 24 اگست 1994ء کو شروع ہوا جب پاکستانی وزارت خارجہ نے اعلان کیا کہ قاہرہ میں ہونے والی عالمی بہبود آبادی کی کانفرنس میں شرکت کیلئے جاتے ہوئے وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو غزہ کے علاقے کا دورہ کریں گی ۔ایک اسرائیلی اہلکار نے مقامی اخبار کو بتایا کہ اسلام آباد کے اس سرکاری اعلان سے چند دن قبل ''سفارتی ذرائع'' سے پاکستان نے مذکورہ دورے کے بارے میں اسرائیل کو مطلع کر دیا تھا۔ اس دوران اسرائیلی ریڈیو سے پاکستانی وزارت خارجہ کے ایک اہلکار کا انٹرویو بھی نشر ہوا۔ جس میں انہوں نے اس امر کی تردید کی کہ محترمہ تل ابیب ائیر پورٹ پر اتریں گی اور یہاں سے غزہ جائیں گی اور مزید یہ کہ انکے اس دورے کا مقصد اسرائیل کو تسلیم کرنا ہے۔ اسرائیل نے اس دورے کی مخالف کی نہ بے نظیر بھٹو سے اصرار کیا کہ وہ اسرائیل کا دورہ بھی کریں۔ اسرائیل اور فلسطین اتھارٹی کے تحت کسی بھی غیر ملکی رہنما کو دورے کی دعوت دینے سے قبل اسرائیل کی اجازت ضروری ہے۔

فلسطینی حکام کا کہنا تھا کہ وہ یہ حق رکھتے ہیں کہ کسی کا بھی اپنے علاقے میں خیر مقدم کریں۔ اس موقع پر اسرائیل کے نائب وزیر خارجہ نے بیان دیا کہ اسرائیل ہی یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ بے نظیر بھٹو یہاں آئیں گی یا نہیں۔ 28 اگست کو صورت حال اس وقت کشیدہ ہوگئی جب تیونس میں پاکستانی سفیر ٹی کے خان جو فلسطینی اتھارٹی میں پاکستان کے نمائندہ بھی تھے بغیر کسی سرکاری اطلاع کے سرحد پہنچ گئے اور نو گھنٹے انتظار کرنے کے باوجود انھیں

وہاں سے گزرنے نہ دیا گیا اور انھیں باامر مجبوری قاہرہ واپس جانا پڑا۔ اسرائیلی حکام کا موقف تھا کہ انھیں پاکستان کے سفارت کار کی پاکستانی حیثیت پر نہیں بلکہ اس بات پر اعتراض ہے کہ انہوں نے اپنے رویے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جیسے اسرائیل کا کوئی وجود نہیں۔ ابتدا سے ہی پاکستانی حکام نے اسرائیل سے براہ راست رابطہ کرنے سے گریز کیا ہے۔ پاکستانی سفارت کاروں کا موقف ہے کہ اسرائیل کو چونکہ پاکستان نے باضابطہ طور پر تسلیم نہیں کیا ہوا لہٰذا اس سے براہ راست سرکاری رابطہ کرنا ممکن نہیں اور نہ ہی انہیں اپنی آمد کے متعلق پہلے سے آگاہ کیا جاسکتا ہے۔ تاہم اگر فلسطین کسی سے پیشگی اجازت لینا چاہتا ہے تو یہ اس کی اپنی صوابدید ہے۔ اس رویے سے مشتعل ہو کر اسرائیلی وزیراعظم رابن اسحاق نے وزیراعظم بے نظیر بھٹو کے دورے کی منظوری نہ دی اور کہا کہ پاکستان کی خاتون کو کچھ آداب سکھا دینے چاہئیں۔

پاکستان کے نزدیک ''تعاون'' سے مراد یہ ہی لی جاسکتی ہے کہ اسرائیل کو تسلیم کیا گیا ہے اور پاکستانی رہنما عوامی سطح پر اپنے اظہار سے اجتناب کرتے ہیں لہٰذا بے نظیر بھٹو نے مذکورہ دورہ ختم کر دیا۔ انگریزی اخبار فرنٹیئر پوسٹ کے اداریے میں محترمہ کے الفاظ یوں نقل کیے گئے کہ جب مجھے علم ہوا کہ اس دورے کیلئے اسرائیلی حکام سے اجازت لینا ہوگی تو پاکستانی پالیسی کے مطابق تو اسرائیل سے کسی نوعیت کا رابطہ نہیں کیا جاسکتا۔ فلسطینی اتھارٹی کو اس دورے کے اعلان سے قبل اسرائیلی حکام سے خاصی پیچیدہ تفصیلات طے کرنا پڑیں۔ اس سے اسرائیل ان ممالک پر بالواسطہ طور پر دباؤ ڈالتا ہے کہ وہ اس سے اپنے دورے سے قبل رابطہ کریں جو اسے تسلیم نہیں کرتے اور یوں اسرائیل فلسطینی علاقوں میں آنے والوں کو بلیک میل کرتا ہے۔ دونوں ممالک کے غیر لچکدار موقف کی وجہ سے یہ دورہ نہ ہوسکا اور یہی پاکستان اور اسرائیل کا بنیادی مسئلہ ہے۔

پاکستان کا اسرائیل کے ساتھ کسی بھی قسم کے رابطے سے اجتناب کرنا اسرائیل کیلئے یقیناً سنجیدہ مسئلہ ہے اور اس سے فلسطینی اتھارٹی کیلئے ایسے عالمی رہنما کو دعوت دینا بھی ایک امتحانی صورتحال ہو سکتی ہے جو اسرائیل کو تسلیم نہیں کرتا۔ ایسے دوروں کو محض سیاسی یا سفارتی نہیں ہونا چاہئے۔ یوں فلسطین کے لیے اسرائیلی حکام سے قبل از وقت اجازت لینا آسان ہو جائے گا۔ اس دورے کے حوالے سے پیدا ہونے والی کشیدگی زیادہ عرصہ نہ رہی اور چند ہفتوں بعد اسرائیلی اردن امن معاہدے کے موقع پر پاکستانی نمائندہ موجود تھا۔ بے نظیر بھٹو کے مذکورہ دورے سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں وہ پاکستان کو 1994ء میں کانفرنس میں شرکت کیلئے رکاوٹ نہ بنیں۔ کیا وزیر تجارت کی شرکت کا مطلب پاکستان اور اسرائیل کے درمیان معاشی تعاون ہے۔ بے نظیر بھٹو صاحبہ کا یہی ماننا تھا۔ ان کے مطابق ہمیں اس مسئلہ کو نہایت سنجیدگی سے لینا ہے اور دیگر اسلامی ممالک کا تعاون بھی حاصل کرنا ہے۔ اس حوالے سے انہوں نے مزید کہا کہ پانی، بجلی اور تیل کے جیسے اہم شعبوں میں نئے منصوبوں سے ہم امن کی جانب بڑھ سکتے ہیں۔

اقوام متحدہ میں پاکستانی سفیر احمد کمال اپنے اسرائیلی ہم منصب کی جانب سے دیئے گئے استقبالیے میں شریک ہوئے جس کی بدولت وہ پاکستانی میڈیا کے زیر عتاب آگئے۔ پاکستان کے ایک روزنامہ ''خبریں'' نے اپنے اداریے میں سخت موقف اپناتے ہوئے لکھا کہ ''کسی بھی پاکستانی کو ایک اسرائیل سے رابطہ نہیں کرنا چاہئے کیوں کہ ایسا کرتے ہوئے ہمیں یروشلم کے تقدس کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ اس صورتحال میں وہ (احمد کمال) اسرائیلی ہم منصب سے ملے۔ کسی بھی اسرائیل سے ایسے رابطوں کو ایک مخلص پاکستانی ملک کے خلاف بغاوت تصور کرے گا۔ یروشلم کی آزادی اور خودمختار فلسطین کے قیام تک ایسے رابطوں کا کوئی جواز نہیں۔''

www.pakistanipoint.com

یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ دونوں میں کسی ایک ملک کے سفارت کار نے دوسرے کو استقبالیے پر مدعو کیا ہو۔ سفارتی سطح پر ملاقاتیں عرصہ دراز سے ہو رہی ہیں۔ جیسا کہ 1958ء میں ہالینڈ میں اسرائیلی سفیر پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان کی اہلیہ کی جانب سے منعقد کی گئی الودعی تقریب میں شریک ہوئے۔ تاہم ماضی میں ایسے رابطوں کے باوجود مذکورہ استقبالیے میں پاکستانی سفیر احمد کمال کا اپنے اسرائیلی ہم منصب سے ملنا اپنی جگہ اہمیت کا حامل تھا۔

1995ء میں اسرائیلی وزیراعظم رابن اسحاق کے قتل سے پاکستان کی پوزیشن میں تبدیلی آئی۔ اس قتل کے بعد متعدد عرب ممالک کا یہ موقف تھا کہ اس سے اسرائیل کے اندر انتہا پسندی کے مضبوط ہونے کا پتہ چلتا ہے اور یہی انتہا پسندی اسرائیل کے عرب دنیا سے تعلقات بہتر ہونے میں آڑے آئی ہے۔ سرکاری سطح پر پاکستان کی طرف سے بھی یہی موقف اپنایا گیا اور قتل کی مذمت کرتے ہوئے ہر قسم کی دہشت گردی کی حوصلہ شکنی پر زور دیا گیا۔ اس سیاسی اور سفارتی پیش رفت کے ساتھ ساتھ پاکستانی میڈیا دونوں ممالک کے بیچ دفاعی تعلقات کے حوالے سے کھل کر تبصرہ کرنے لگا۔

''دی نیوز'' کی ایک رپورٹ کے مطابق افغان جنگ کے دوران ماہر اسرائیلی گوریلوں نے افغانوں کو تربیت دی تھی اور جنگ کے آخری دنوں میں پاکستان کی خفیہ تنظیم کے ایک سینئر افسر نے اسرائیلی خفیہ تنظیم ''موساد'' کے سینئر اہلکار سے ویانا میں ملاقات بھی کی تھی۔ گو یہ ثابت کرنا مشکل ہے تاہم اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اس نوعیت کے عسکری تعاون سے پاکستان کو فائدہ ہو سکتا ہے اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔

پاکستان اور اسرائیل کے سرکاری اداروں
کے درمیان ایک ملین ڈالر لاگت کے
"معاہدوں" کو سرکاری کہا جا سکتا ہے۔
اسرائیلی میڈیا

www.pakistanipoint.com

پاکستان، اسرائیل اقتصادی تعلقات

پاکستان اور اسرائیل کے درمیان معمول کے سفارتی تعلقات کی عدم موجودگی دونوں ممالک کے درمیان بالواسطہ یا بلاواسطہ اقتصادی رابطوں کی راہ میں حائل نہیں ہو ئی۔ 60ء کی دہائی کے وسط تک اسرائیل کا بھارت کے ساتھ براہ راست فضائی رابطہ تھا اور برٹش ایئرویز کی بھارت کیلئے ہفتہ وار دو پروازیں پاکستان میں کچھ دیر کے لیے رکتی تھی یا اس کی فضائی حدود میں سے گذرتی تھیں۔ عرب ممالک کی طرف سے اسرائیل کے ساتھ معاشی بائیکاٹ کے دباؤ کے زیر اثر پاکستان نے اسرائیل کے مسافر جہازوں کو یہ سہولت دینا بند کر دی۔ اسرائیل کے ساتھ معاشی بائیکاٹ کے حوالے سے قائم ہونے والے دفتر نے پاکستان اسرائیل کے مابین تجارت کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ ستمبر 1994ء میں پاکستان نے سعودی عرب اور مصر کے ساتھ مل کر اسرائیل کے ساتھ ڈاک کی ترسیل کی بندش کے معاہدے پر دستخط کیے۔ اوسلو معاہدے کے بعد میڈیا کی رپورٹوں کے مطابق اسرائیل نے متعدد عرب ممالک سے بڑے پیمانے پر تجارتی معاملات کئے ہیں۔ مارچ 1987ء میں اسرائیل نے بھارت کے ذریعے پاکستان ماربل کاٹنے کا پلانٹ بھیجا۔ یہ پلانٹ بھیجنے والی اسرائیلی کمپنی نے بتایا کہ ہم پاکستان سمیت متعدد اسلامی ممالک کو اشیاء درآمد کر چکے ہیں۔ ستمبر 1995ء میں

www.pakistanipoint.com

پاکستان، اسرائیل تعلقات کی پس پردہ کہانی

پاکستان کے انگریزی روزنامے دی نیوز نے ایک رپورٹ شائع کی تھی جس کے مطابق پاکستان کی قومی ائیر لائن پی آئی اے نے اسرائیلی سرکاری جہاز رانی کی صنعت سے مختلف پرزہ جات حاصل کیے۔ پاکستان اور اسرائیل کے سرکاری اداروں کے درمیان ایک ملین ڈالر لاگت کے اس معاہدے کو سرکاری کہا جاسکتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق اسرائیل سے خریدا جانے والا یہ سامان فرانس کے قومی بحری جہاز کے ذریعے پاکستان لایا گیا۔ اسی رپورٹ کے آخر میں یہ بھی تبصرہ تھا کہ اس تجارتی معاہدے کو دونوں ممالک کے درمیان معمول کے تعلقات استوار کرنے کے حوالے سے پہلا قدم کہا جاسکتا ہے۔ تاہم عوامی دباؤ کے خوف سے ایسا نہ ہوا۔ پی آئی اے نے گو کہ یہ اعلان کر رکھا تھا کہ وہ اپنے بوئنگ طیاروں میں آگ بجھانے والے جدید آلات نصب کرنے کا ارادہ رکھتی ہے مگر جب اسے یہ احساس ہوا کہ یہ آلات تو اسرائیل سے آرہے ہیں۔ جس کے خلاف عوامی دباؤ برداشت سے باہر ہو جائے گا تو پی آئی اے نے یہ سامان وصول کرنے سے انکار کردیا۔ حال ہی میں انفرادی سطح پر مسلمان سیاحوں کو یروشلم کا دورہ کرانے کی کوششیں ہوئی ہیں۔ اس میں ایک اسرائیلی تاجر اور سعودی ارب پتی بھی شامل ہیں۔ انھوں نے زیارت انٹرنیشنل کے نام سے ایک سیاحتی ادارہ قائم کیا ہے۔ جس کا مقصد اسلامی شعائر کی سیاحت کو فروغ دینا ہے۔ جوہری تجربات کے چند ہفتوں بعد اسرائیل نے اردن کی رائل ائیر لائن کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کیے جس کے تحت اسرائیل کے سامان بردار جہاز پاکستان سمیت ان ممالک کیلئے پروازیں بھریں گے جن سے اسرائیل کے ابھی تک سفارتی تعلقات قائم نہیں ہوئے۔ اسرائیلی میڈیا متواتر یہ کہہ رہا تھا کہ متعدد اسلامی ممالک کے سیاح یروشلم میں اسلامی شعائر کی زیارت کر رہے ہیں۔ مئی 1993ء میں لیبیا سے آنے والا دو سو افراد کا ایک ایسا ہی سیاحتی وفد تنازع کا باعث بن گیا۔ 1992ء

www.pakistanipoint.com

کے آخر میں پاکستان کے ایک تاجروں کا وفد کاروباری امکانات کا جائزہ لینے کیلئے اسرائیل پہنچا۔ 1994ء میں اسرائیل کے سرکاری اعداد وشمار کے مطابق بتایا گیا تھا کہ گذشتہ چند سال میں 300 پاکستانی اسرائیل کا دورہ کر چکے ہیں۔

www.pakistanipoint.com

عرب ریاستیں اسرائیل کو تسلیم کرنے کی تیاریاں کر رہی ہیں
اور اس ضمن میں پاکستان اگر اسرائیل کو تسلیم کر لیتا ہے تو
عرب ریاستوں کا اسرائیل کو تسلیم کرنا ایک آسان کام ہوگا۔
عصمت عبدالغیث، سیکرٹری جنرل عرب لیگ

www.pakistanipoint.com

www.pakistanipoint.com

پاکستان، اسرائیل رابطوں کا مرکز

اقوام متحدہ، پاکستان اور اسرائیل کے سفارتی نمائندوں کے مابین رابطوں کا بنیادی مرکز رہا ہے۔ان رابطوں کا آغاز 50ء کی دہائی کے اوائل میں ہی شروع ہو گیا تھا ۔پاکستانی سفارت کار سرکاری حیثیت میں تو اسرائیل کے اہلکاروں سے نہیں مل سکتے تھے تاہم نجی سطح پر ملاقاتوں کا یہ سلسلہ جاری رہا جس میں پاکستانی نمائندے اپنے اسرائیلی ہم منصبوں سے رسمی ملاقاتوں کی راہ میں حائل رکاوٹوں پر معذرت کرتے۔تیونس کی آزادی اور عرب مہاجرین کے مسائل دونوں ممالک کے سفارت کاروں کے درمیان تبادلہ خیال کا موضوع ہوتے۔1952ء میں اقوام متحدہ میں پاکستانی سفیر اے ایس بخاری نے نجی محفل میں اسرائیلی سفیر ایبا ایبان کے مشرق وسطی میں مہاجرین کے متعلق موقف کو سراہا تھا۔حالانکہ یہ حقیقت بھی انہی جگہ مسلم ہے کہ اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم پر جب اس مسئلہ پر بحث ہوئی تو اسے ایس بخاری کا موقف مختلف تھا۔تاہم دونوں ممالک کے درمیان سفارتی رابطے مختلف جگہوں اور مواقع پر ہوتے رہے ہیں۔ان میں بعض رابطے اور ملاقاتیں بھارت کی میزبانی میں ہونے والی مختلف دعوتوں میں ہوئیں۔واشنگٹن اور لندن میں پاکستانی مشن بھی ان رابطوں کا باعث بنے۔

معاملے کی حساس نوعیت کی وجہ سے امریکی رہنما اور اہلکار ہمیشہ عوامی سطح پر پاکستان

www.pakistanipoint.com

کے اسرائیل کو تسلیم کیے جانے کے مسئلہ سے اجتناب کرتے آئے ہیں۔امریکہ میں کام کرنے والی اسرائیلی نواز تنظیموں نے پاکستان کی پالیسی میں تبدیلی کیلئے بہت دیر سے کام شروع کیا۔اگست 1992ء ایک ایسی ہی بااثر تنظیم اے ڈی ایل (اینٹی ڈی فیمیشن لیگ) نے اس پر شدید حیرت کا اظہار کیا جب پاکستان نے اس امر کا اعادہ کیا کہ اس کی اسرائیل پالیسی میں کبھی تبدیلی نہیں آسکتی۔پاکستان کے سیکریٹری خارجہ شہریار خان کے نام ایک خط میں اے ڈی ایل کے رہنماؤں نے لکھا کہ سیاسی، معاشی، سماجی اور ثقافتی سطح پر ایک نیا دور دونوں ممالک کیلئے فائدہ مند ہوگا۔اس طرح معروف اور بااثر یہودی شخصیات نے پاکستان اور اسرائیل کے تعلقات کو معمول پر لانے کیلئے ذاتی سطح پر کوششیں کی ہیں۔

بعض اوقات ان کوششوں میں مالی امداد بھی شامل ہوئی ہے۔60ء کی دہائی میں ایک معروف یہودی سماجی شخصیت نے کراچی کے تاجر سے گہرے مراسم استوار کر لیے تھے اس تاجر نے 50ء کی دہائی میں اسرائیل کا دورہ کیا تھا۔امریکہ اور اسرائیل نواز عناصر کی حمایت حاصل کرنے کیلئے پاکستانی رہنما اسرائیل اور یہودیوں میں فرق کرتے ہیں۔ان کا موقف یہ ہوتا ہے کہ وہ اسرائیل مخالف تو ہیں مگر یہودیت کے مخالف نہیں۔دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس ذوالفقار علی بھٹو نے کہا تھا:

> ”یہودی اگر یہودیت پر قائم ہیں تو ہمارے رویے کو دوستانہ پائیں گے مگر یہودی اگر صہیونیت پر کاربند ہیں جو عسکریت پسندی پر مبنی ہے تو اس کیلئے ہمارے رویے میں کسی قسم کا تحمل نہیں۔“

مغربی ممالک جیسا کہ آسٹریلیا نے اسرائیل کو پاکستان سے سفارتی تعلقات استوار کرنے میں مدد کی پیش کش کی اور بعد میں چھوٹے ممالک اس تگ ودو میں شامل بھی

ہوئے۔ ایسا ہی ایک ملک نیپال تھا۔ نیپال جنوبی ایشیاء کا واحد ملک تھا جس نے سب سے پہلے اسرائیل سے سفارتی تعلقات قائم کیے۔ 1993ء میں اپنے سرکاری دورے کے دوران نیپال کے وزیر زراعت نے اسرائیل میں انکشاف کیا تھا کہ ان کا ملک پاکستان اور اسرائیل کے مابین معمول کے تعلقات قائم کرنے کیلئے کوشش کر چکا ہے۔ ان کے بقول یہ کوشش بالواسطہ تھی۔ اخباری ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ پاکستانی اور اسرائیلی سفارت کار نیپال کے دارالحکومت کھٹمنڈو میں متواتر ملتے رہے ہیں۔ اسرائیل کی سیاسی تنہائی کے خاتمے اور مختلف ممالک میں سفارتی مشن کھلنے سے ان رابطوں کیلئے متعدد جگہیں دستیاب ہوگئیں۔ اگست 1992ء میں اپنے سرکاری دورے کے دوران عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل عصمت عبدالغنیث نے بتایا کہ عرب ریاستیں اسرائیل کو تسلیم کرنے کی تیاریاں کر رہی ہیں اور اس ضمن میں پاکستان اگر اسرائیل کو تسلیم کر لیتا ہے تو عرب ریاستوں کا اسرائیل کو تسلیم کرنا ایک آسان کام ہوگا۔

جہاں تک اسرائیل کا تعلق ہے اس کے لیے پاکستان سے تعلقات استوار کرنا ایک نہایت ہی سنجیدہ معاملہ ہے۔

50ء کی دہائی کے آخر میں اسرائیل اقوام متحدہ کی مختلف ذیلی تنظیموں کیلئے پاکستان کی حمایت کرتا رہا ہے۔ 1951ء میں جب پاکستان سلامتی کونسل کیلئے منتخب ہوا تو اسرائیل نے رائے شماری میں حصہ نہیں لیا تھا اور اس طرح چند سال بعد جب پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان عالمی عدالت انصاف کیلئے منتخب ہوئے تو اسرائیل نے ان کی حمایت یا مخالفت میں حصہ نہیں لیا تھا۔

www.pakistanipoint.com

پاکستان کے جوہری تجربات نے اسرائیل کے ساتھ دوطرفہ
تعلقات کو ایک نیا زاویہ دیا اور پاکستان سے تعلقات قائم
کرنا پہلی بار اسرائیل کے ایجنڈے میں شامل ہوا۔
اسرائیلی رائے

www.pakistanipoint.com

پاکستان، اسرائیل جوہری مسئلہ

پاکستان کا 1998ء میں جوہری تجربے کرنا اور بھارت کی طرف سے بھی ایسے ہی تجربات دہرانا ، پاکستان اسرائیل تعلقات میں ایک نیا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ دفاعی تحفظات کے پیش نظر دونوں ممالک کو ایک دوسرے سے بالواسطہ اور بلاواسطہ روابط رکھنا پڑا۔ اسرائیلی رہنما اس بات پر زور دیتے رہے کہ پاکستان اسرائیل کا دشمن نہیں ہے۔ عام طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ پاکستان نہ صرف جوہری ہتھیار بنانے کی صلاحیت حاصل کر چکا ہے۔ بلکہ وہ اس صلاحیت کو منتقل کرنے کی استعداد بھی رکھتا ہے ہیں۔ اسرائیل اور پاکستان کے جوہری صلاحیت حاصل کرنے میں امریکہ اور فرانس کی مدد بھی شامل رہی۔ دونوں ممالک نے عالمی معیار کے مطابق اپنی سکیورٹی کی پالیسی وضع کی جس کے مطابق وہ اپنے خطے میں جارحیت سے گریز کرتے ہوئے ہر طرح پُرامن رہنے کی پابند ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جوہری ہتھیاروں کی تخفیف کے حوالے سے عالمی معاہدے کے تحت پاکستان اور اسرائیل کی حیثیت کو عالمی سطح پر سراہا جاتا ہے۔ بھارت کا مقصد اس کے برعکس ہے۔ این پی ٹی پر دستخط سے انکار کرنا بھارت کا کوئی اصولی فیصلہ نہیں اور نہ ہی ایسا کرنے سے اس کو عالمی سطح پر اخلاقی حمایت حاصل ہوگی۔ اس سے دنیا جوہری ہتھیاروں کے خوف میں مبتلا ہونے میں حق بجانب ہے۔ جوہری معاہدوں کا مقصد خطے کی سلامتی کو

یقینی بنانا ہوتا ہے۔

پاکستان کے جوہری تجربات نے اسرائیل کے ساتھ دوطرفہ تعلقات کو ایک نیا زاویہ دیا۔ پاکستان سے تعلقات قائم کرنا پہلی بار اسرائیل کے ایجنڈے میں شامل ہوا۔ اسرائیل کے اہلکار پاکستان کے ساتھ دوستانہ رویہ کا اظہار کرنے لگے۔ اس حوالے سے دونوں ممالک کے درمیان ماضی میں ہونے والے رابطوں کو عوامی سطح پر لایا گیا۔ مثال کے طور پر پاکستان کے جوہری تجربات کے فوری بعد اسرائیل کے ایک نجی ٹی وی چینل ٹو نے انکشاف کیا ہے کہ 80ء کی دہائی میں اسرائیل کے پاکستان کے ساتھ تعلقات نہایت ہی قریبی تھے۔ تاہم یہ قریبی تعلقات محض سفارتی سطح پر ہی رہے۔ شمعون پریز اور شمیر کی قومی حکومت (1984-90) کے دوران اسرائیل نے پاکستان میں اپنی مستقل نمائندگی رکھی۔ یہ یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ شاہ ایران کے دور میں اسرائیل کا ایک ''گمنام'' مگر تہران میں مستقل مشن موجود تھا۔ گو کہ اسے سفارت خانہ یا مشن تو نہیں کہہ سکتے تاہم اسرائیلی حکام کا شاہ کی حکومت سے براہ راست تعلق موجود تھا اور ان کی عزت و توقیر اعلیٰ سفارت کاروں سے بھی زیادہ تھی۔ ایک ٹی وی رپورٹ کے مطابق دونوں ممالک کے اعلیٰ سطحی اہلکاروں کے دورے برابر ہوتے رہے اور ان کے درمیان بڑے بڑے معاہدوں پر بات چیت بھی ہوتی رہی۔

کہوٹہ پر حملے کا منصوبہ

پاکستان کے جوہری منصوبے کے حوالے سے بھارت کی تشویش اور اسرائیل کا اس کو ''اسلامی بم'' قرار دینا ان افواہوں کا باعث بنا کہ دونوں ملک کہوٹہ پر قبضے کیلئے ایک دورے سے تعاون پر غور کر رہے ہیں۔ یہ تجویز سامنے آتی رہی کہ بھارت اوسریک طرز پر

اسرائیل کی طرح کہوٹہ پر حملہ کرے گا۔ بھارتی رہنما ایسی کسی کاروائی سے انکار کرتے رہے تاہم بھارت کے بعض اقدامات سے پاکستان کو وقتی طور پر تشویش ضرور ہوئی۔ جون 1996ء میں بھارتی وزیراعظم نے ایک انٹرویو میں زور دے کر کہا کہ وہ پاکستان کے جوہری منصوبے کے خلاف حملہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے اور نہ ہی مستقبل میں ایسا ہونے کا کوئی امکان ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم دیگر ممالک کی طرز پر ایسا اقدام نہیں کریں گے۔ ان کا اشارہ اسرائیل کی طرف تھا۔

اس انٹرویو کے ایک ماہ بعد امریکی جاسوس کی فراہم کردہ سیٹلائٹ تصویروں کے ہمراہ اسرائیلی سفارت کار پیرس میں بھارتی وزیراعظم راجیو گاندھی سے ملا اور بھارتی وزیراعظم کو باور کرایا کہ پاکستان کے جوہری منصوبے سے بھارت اور اسرائیل دونوں کو برابر کا خطرہ ہے۔

تجزیہ نگار کہوٹہ پر حملے کی تجویز کے حوالے سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔ سابق اسرائیلی ملٹری انٹیلی جنس کے سربراہ اہارون پاریو نے بھارتی صحافی بصرت کرنایا کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ گذشتہ چند برسوں میں بھارت نے مختلف طریقے اپنانے کے بارے میں غور کیا۔ ان میں عراقی ری ایکٹر پر بغداد میں 1981ء حملے کی طرز پر پاکستان کی جوہری تنصیبات پر حملے کیلئے امداد مہیا کرنا تھا۔ اسرائیلی خفیہ تنظیم موساد کے ایک سابق افسر وکٹر اوسٹروسکی نے انکشاف کیا کہ بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی کے دور میں بھارت کے سائنس دانوں کا ایک وفد پاکستانی جوہری پروگرام کے حوالے سے اپنے تحفظات کے اظہار کیلئے اسرائیل گیا تھا۔ 1983ء میں اس وقت کے اسرائیلی وزیر دفاع ایریل شیرون نے تجویز کیا تھا کہ بھارت اور اسرائیل مل کر پاکستان کی جوہری تنصیبات کو نشانہ بنائیں۔ اس تجویز پر عمل درآمد کیلئے اسرائیل کو بھارت کی طرف سے مکمل انتظامی

سیاسی تعاون درکار ہونا چاہیے۔

بھارت کا جام نگر ائیر بیس جو پاک بھارت سرحد پر واقع ہے۔ جہازوں میں تیل بھرنے کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ بھارتی ائیر فورس کو حملے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اس لیے اسرائیلی مدد کی ضرورت محسوس کی گئی۔

1980ء سے لے کر پاکستان کے جوہری دھماکے کرنے تک مذکورہ منصوبہ میڈیائی افواہوں کی حیثیت سے زیادہ اہمیت اختیار نہ کر سکا۔ اس کی وجہ سمجھنا کوئی زیادہ مشکل نہیں۔ اسرائیلی ملٹری انٹیلی جنس کے سابق سربراہ اہاراون ہاریو کے مطابق یہ منصوبہ اس لیے کھٹائی کا شکار ہوا کیونکہ بھارت سارا کام ہم سے لینا چاہتا تھا اور خود اس حملے میں براہ راست شامل ہونے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بھارت کا اصرار تھا کہ وہ اس حملے کے لیے مکمل تعاون کیلئے تیار ہے۔

جولائی 1988ء میں ایک پاکستانی تجزیہ نگار نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے جوہری پروگرام پر حملے کا منصوبہ اس لیے عملی جامہ نہ پہنایا سکا کیوں کہ بھارت چاہتا تھا کہ اسرائیل حملہ کرے۔ جب کہ اسرائیل کا مطالبہ تھا کہ حملے میں بھارت بھی شریک ہوا۔ اکیلے حملہ کرنے سے اسرائیل نے بھی انکار کر دیا تھا۔ ادھر بھارت نے اس حملے میں شامل ہونے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا۔

بھارت کی جانب سے عدم دلچسپی کے باعث اسرائیل نے عسکری نقل و حرکت میں مشکلات کے باعث اس آپریشن کو اکیلے کرنے سے گریز کیا۔ بھارت کی طرف سے اسرائیل کے ہاتھ میں ہاتھ ملانے سے ہچکچاہٹ سے یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ پاکستان کے جوہری منصوبے پر مشترکہ حملے کا نظریاتی طور پر تو پُر زور حامی ہے مگر عملی طور پر نہیں۔ تاہم مشترکہ حملے کی ضرورت اور تیاریوں کے ضمن میں بھارت نے دفاعی نقطہ نظر سے بعض

www.pakistanipoint.com

فائدے حاصل کر لیے۔ مگر شاید کہوٹہ پر حملہ بھارت کے لیے فائدہ مند نہ ہوتا۔ اس لیے وہ اس میں عملی طور پر شریک ہونے سے گریز کرتا رہا۔ پاکستان جوہری پروگرام سے ظاہر ہے وہ خائف ضرور رہا اس لیے یہ خواہش قدرتی طور پر رکھتا ہے کہ کوئی دوسرا ملک اس پروگرام کو تباہ کر دے مگر بھارت اپنے لیے کسی قسم کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔ اوسریک کے برعکس بھارت کیلئے کہوٹہ اور اس کے درمیان کوئی ایسا علاقہ نہیں جہاں سے وہ حملہ کر سکے۔

بھارت کی اقتصادی اور عسکری تنصیبات کا ایک وسیع سلسلہ جیسا کہ تیل صاف کرنے کی ریفائنریز، جوہری ادارے، اہم صنعتی ادارے اور دیگر ضروری مقامات پاکستان کے آسان ہدف بن سکتے ہیں۔ بھارت کو کسی سپر پاور نے اسرائیل کی طرح تحفظ، گارنٹی بھی نہیں دی تھی جو اوسریک پر حملے کے وقت اسے دی گئی تھی۔ مزید یہ کہ کہوٹہ بھارتی سرحد سے بہت زیادہ فاصلے پر نہیں اگر بھارت جوہری شعاعوں کی زد سے اپنی سرحد کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے تو اُسے 1984ء سے قبل حملہ کرنا چاہئے تھا جب یورینیم کی تیاری اپنے ابتدائی مراحل میں تھی۔ اس کے بعد کہوٹہ پر اب ہونے والا کوئی بھی حملہ جہاں جوہری اثرات سے محفوظ نہیں ہوگا۔ وہاں اس کے سیاسی طور پر بھی شدید نقصانات ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر بغور جائزہ لیا جائے تو اسرائیل کا بھارت کے بغیر کہوٹہ پر حملہ نہ کرنے کی وجہ محض بھارت کی ہچکچاہٹ نہیں تھی۔ اسرائیل پاکستان کے ساتھ براہ راست وابستہ تھا اور حملہ نہ کرنے کی وجہ ان کا پاکستان کے متعلق اپنا ہی ایک تجربہ تھا۔ 80ء کے وسط میں وزیر دفاع ایریل شیرون کے قریبی معاون اسلام آباد آئے اور اس نے حملے کے حوالے سے پاکستان میں پائی جانے والی تشویش کو ختم کیا۔ مزید براں صدر جنرل ضیاء الحق سے فوجی اسلحہ کے بعض معاہدوں کو بھی حتمی شکل دی گئی۔

پاکستان، اسرائیل تعلقات کی پس پردہ کہانی

انھی خدشات کے پیش نظر دسمبر 1985ء میں پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق اور بھارتی وزیراعظم راجیو گاندھی کے درمیان جوہری تنصیبات کو نشانہ نہ بنانے کا معاہدہ طے پایا۔ یہ دوطرفہ معاہدہ جوہری کشیدگی کو کم کرنے کیلئے کافی نہ تھا۔ بھارتی، اسرائیلی اور مغربی میڈیا کیلئے کہوٹہ پر حملہ ایک کڑوا کھانا بن چکا تھا۔ دوسری طرف بھارت، اسرائیل ''خفیہ سازش'' پاکستانی میڈیا کا خاص موضوع تھا۔ بعض صحافیوں نے یہاں تک بھی انکشاف کیا کہ فلسطین رہنما یاسر عرفات نے اسرائیل کو پاکستان پر حملہ کرنے سے منع کیا ہے۔ جولائی 1991ء میں وزیراعظم نواز شریف نے عرب نیوز کو بتایا '' ہمارے ہاں اسرائیلی حملے کے بارے میں کسی حد تک تشویش پائی جاتی ہے۔'' مارچ 1994ء میں یہ انکشاف بھی سامنے آیا کہ چند یہودی امریکی فوجی پاک امریکہ مشترکہ فوجی مشقوں میں شمولیت کے دوران کہوٹہ کی جاسوسی کرتے رہے۔ دسمبر 1997ء میں آئی ایس آئی کے سابق سربراہ حمید گل نے بتایا کہ جولائی 1988ء میں اسلام آباد میں ایک سینئر امریکی سفارت کار اسرائیل کے لیے جاسوسی کرتے پایا گیا۔

1998ء میں پاکستان کے جوہری تجربات کے بعد ان خدشات نے پھر سے شدت اختیار کی۔ گذشتہ مواقع کی طرح اس بار افواہوں کا گڑھ ایک غیر متوقع جگہ تھی یعنی مصر 18 مئی 1998ء کو ''روزنامہ جنگ'' نے مصری ذرائع کے حوالے سے بتایا کہ اگر پاکستان نے جوہری تجربات کا ارادہ ترک نہ کیا تو اسرائیل حملہ کردے گا۔ پاکستانی میڈیا کے مطابق بھارت کے پانچ جوہری دھماکوں میں سے دو اسرائیلی ساخت کے تھے۔ پاکستان کے وزیر خارجہ گوہر ایوب خان نے بھی کہا کہ بھارت کے جوہری تجربات میں اسرائیل کی مدد شامل ہوسکتی ہے۔ اس وقت اپنی مدت سفارت ختم کرنے والے امریکی سفیر تھامس سائمن نے پاکستان کے جوہری تجربات کے بعد کہوٹہ پر اسرائیلی حملے

www.pakistanbolt.com

کے امکان کا خدشہ ظاہر کیا تھا۔ اسرائیل نے امریکہ کے ذریعے یہ یقین دہانی کرادی کہ وہ پاکستان کے خلاف کسی قسم کے جارحانہ عزائم نہیں رکھتا۔ 6 جون 1998ء کو پاکستان کی وزارت خارجہ کے ترجمان نے بتایا کہ 27 مئی (دھماکوں سے ایک رات قبل) کو کہوٹہ پر ممکنہ حملے کا شدید خدشہ تھا جسے فوری طور پر سفارتی کوششوں سے ختم کیا گیا۔ بھارت اور اسرائیل کے سفارت کاروں نے بھارت کے جوہری دھماکوں میں کسی قسم کی مداخلت یا تعاون سے انکار کیا۔

www.pakistanipoint.com

پاکستانی ایٹم بم "اسلامی بم" کا روپ نہیں
دھارے گا اور نہ ہی نیوکلیئر پاکستان، اسرائیل
کیلئے براہ راست کوئی خطرہ بنے گا۔
اسرائیلی تجزیہ کار

www.pakistanipoint.com

پاکستان کا اسلامی بم

70ء کی دہائی کے ابتدا سے پاکستانی رہنما جوہری پروگرام کو اسلامی بم کے طور پر پیش کرتے رہے۔ ذوالفقار علی بھٹو اسے اسلامی بم کا نام دیتے رہے۔ جنرل ضیاء الحق نے اعلان کیا کہ پاکستان اپنی اس کامیابی کو دیگر اسلامی ممالک تک بھی پہنچائے گا۔ پاکستان اپنے جوہری پروگرام کو اسلامی بم کا نام دے کر مشرق وسطی کے تیل برآمد کرنے والے امیر ممالک سے امداد حاصل کرتا رہا۔ پاکستان کی یہ حکمت عملی تشویش کا باعث بننے لگی کیوں کہ پاکستان جوہری صلاحیت حاصل کر چکا تھا اور اسے جوہری طاقت کی حیثیت ملنے والی تھی۔ بڑھتی ہوئی عالمی تشویش اور جوہری ہتھیاروں کی روک تھام کے معاہدوں کی موجودگی میں پاکستان اپنے موقف میں تبدیلی پیدا کرنے لگا۔ پاکستان کی طرف جوہری صلاحیت منتقل کرنے کے ارادے کو مختلف قسم کے دباؤ سے کڑی تنقید اور اقتصادی پابندیوں کی دھمکیوں نے ماند کر دیا۔ غربت معاشی امداد پر انحصار اور ترقی پذیر ہونے کے باوجود محض جوہری طاقت بننے سے پاکستان اسلامی دنیا کی قیادت سنبھالنا چاہتا ہے۔

عالمی صورت حال کے پیش نظر پاکستان نے ''اسلامی بم'' سے خود کو دور کرنا شروع کر دیا اور خطے میں ایک باوقار ملک کی حیثیت اپنانے لگا۔ پاکستان نے یہ تاثر دیا کہ وہ اپنی جوہری صلاحتیں کسی دوسرے ملک کو منتقل نہیں کرے گا۔ دوسرے ممالک سے مراد ظاہر ہے

مشرق وسطیٰ کے ممالک تھے۔ یوں اسرائیل کو پاکستان کی طرف سے ایک مثبت پیغام موصول ہوا۔ اسرائیل کو باور کرایا گیا کہ پاکستان کے جوہری اور میزائل پروگرام کے تعلق جنوبی ایشیاء سے باہر نہیں لہٰذا اسرائیل کو پاکستان کا جوہری پروگرام اسرائیل کیلئے تشویش کا باعث نہیں ہونا چاہئے۔ اسرائیل کے بھارت کے ساتھ نئی سطح پر استوار ہونے والے تعلقات کے باوجود پاکستان نے یقین دہانی کرائی کہ وہ اپنی حساس جوہری صلاحیت کسی دوسرے ملک کو منتقل نہیں کریگا۔ اپریل 1998ء میں غوری میزائل کے کامیاب تجربے کے بعد صدر رفیق تارڑ نے کہا:

"ان کا ملک کسی دوسرے ملک کو حساس ٹیکنالوجی منتقل نہیں کرے گا۔ ہم ایران کے جوہری پروگرام میں تعاون کر رہے ہیں۔ نہ ہی ایسا کرنے کا کوئی ارادہ رکھتے ہیں۔"

غوری میزائل جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے بھارت کیلئے مخصوص تھا۔ اس سے کسی دوسرے ملک کو تشویش نہیں ہونی چاہئے تھی۔ ایک نقطہ نظر یہ تھا کہ پاکستان اپنی میزائل ٹیکنالوجی اسلامی ممالک کو منتقل کر سکتا ہے۔ لہٰذا امریکہ پاکستان کو میزائل کنٹرول سسٹم میں شامل کرے۔ جوہری دھماکوں سے قبل پاکستان ایران اور سعودی عرب سے بھی مشاورت کی تھی۔ دوسری طرف مذکورہ دونوں اسلامی ممالک دھماکوں سے قبل اور بعد میں پاکستان کو جوہری تخفیف کے معاہدے کی پاسداری کا وعدہ یاد دلاتے رہے۔ جوہری دھماکوں کے کامیاب تجربات کا فخریہ اعلان کرتے ہوئے پاکستان کے وزیراعظم نواز شریف نے کہا کہ ہم اپنی حساس ٹیکنالوجی کسی دوسرے ملک کو منتقل نہیں کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ میں تمام ممالک کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارا جوہری پروگرام ملکی دفاع کیلئے ہے اور اس سے کسی ملک کو تشویش نہیں ہونی چاہئے۔

پاکستان ان دنوں اپنی جوہری صلاحیت کسی کو منتقل نہ کرنے کی یقین دہانی کراتے ہوئے جہاں دیگر ریاستوں کا نام لیتا تھا وہی ریاستی عناصر کا نام بھی بطور خاص لیا جاتا تھا۔ریاستی عناصر سے مراد فلسطین تھا۔جس کا مقصد اسرائیل کے خدشات کو دور کرنا تھا۔ان یقین دہانیوں کے علاوہ اسرائیلی میڈیا کے مطابق پاکستان نے غیر سرکاری طور پر بھی اس امر کا اعادہ کیا کہ وہ ایران کو جوہری صلاحیت منتقل نہیں کرے گا اور نہ ہی مشرق وسطی کے کسی ملک کو۔یہ یقین دہانی امریکہ میں اسرائیلی سفیر اور اقوام متحدہ میں اسرائیل کے مستقل نمائندے کے ذریعے کرائی گئی۔دوسری جانب پاکستانی میڈیا جو پاکستان کے جوہری پروگرام کی تباہی کے لیے بھارت، اسرائیل سازش کو نمایاں کرتا رہا،اس نے پاکستان کے جوہری پروگرام کے حوالے سے اسرائیلی تشویش کو بے بنیاد قرار دیا اور یہ انتہا پسندانہ اظہار کیا کہ عرب ممالک اسرائیل کے مکمل خاتمے کے لیے پاکستانی جوہری اسلحہ استعمال کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔نیوکلیائی بم یک لخت اسلامی سے پاکستانی ہو گیا۔

اس وقت کے پاکستانی وزیر خارجہ گوہر ایوب خان کے الفاظ میں پاکستان اپنے نیو کلیائی بم کو اسلامی یا مشرق وسطیٰ کے تناظر میں پیش نہیں کرنا چاہتا۔ان نجی سطح کی یقین دہانیوں کے باوجود پاکستان نے براہ راست اسرائیل کو اپنے پُر امن ارادوں سے مطلع کر دیا۔اسرائیلی ٹی وی چینل ٹو کے ساتھ ایک انٹرویو میں وفاقی وزیر اطلاعات اور نواز شریف کے قریبی ساتھی سید مشاہد حسین نے کہا کہ کسی ملک کو پاکستان کے نیوکلیائی پروگرام سے تشویش میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔جب ان سے ''اسلامی بم'' کے متعلق سوال کیا گیا تو ان کا کہنا تھا:

''نواز شریف نے بڑی وضاحت سے یہ باور کرایا تھا کہ نیوکلیائی بم کی بنیاد

www.pakistanipoint.com

مذہبی نہیں اور پاکستان کے بم کو اسلامی بم کہنا غیر قانونی اور غیر اخلاقی اور غیر حقیقی ہے کیوں کہ ہم نے کبھی یہ نہیں کہا کہ بھارت کا بم ہندو بم ہے حالانکہ اس وقت بھارت میں ایک مذہبی انتہا پسند جماعت (بی جے پی) حکومت کر رہی ہے۔"

نیوکلیئر پاکستان کے بارے میں اسرائیلی تجربہ بھی یہی تھا جس کا اظہار سابق وفاقی وزیر اطلاعات سید مشاہد حسین نے کیا۔ 80ء کی دہائی کے آغاز میں اسرائیل میں دفاعی مباحث میں کبھی کبھار پاکستان کا نام بھی آجاتا تھا۔ اس حوالے سے یہ تجویز بھی سامنے آئی تھی کہ خطے میں ہتھیاروں کے کنٹرول کے معاہدے میں پاکستان کو بھی شامل کیا جائے۔ دھیرے دھیرے یہ خدشات کہ پاکستان کا بم اسلامی بم بن جائے گا یا وہ اپنی جوہری صلاحتیں کسی دوسرے اسلامی ملک کو منتقل کر دے، دم توڑتے گئے۔ پاکستان کا نقطہ نظر جنوبی ایشیاء میں اپنی پوزیشن کا استحکام تھا اور ایک محدود پیمانے پر وہ مشرق وسطیٰ میں براہ راست دلچسپی رکھتا ہے۔ تاہم پاکستان کا ایک جوہری ملک کا تشخص حاصل کر لینا دیگر اسلامی ممالک جیسا کہ ایران اور عراق کیلئے جوہری صلاحیت حاصل کرنے کا باعث بنا۔

اسرائیلی تجزیہ نگاروں کے مطابق تاہم یہ "اسلامی بم" کا روپ نہیں دھاریں گے اور نہ ہی نیوکلیئر پاکستان، اسرائیل کیلئے براہ راست کوئی خطرہ بنے گا۔

www.pakistanipoint.com

پاکستان میں اسرائیل کو مشروط طور پر تسلیم کرنے کی
بات کرنے والے آہستہ آہستہ نمایاں ہو رہے ہیں
اور اپنی بات منوانے کیلئے پرجوش دکھائی دیتے ہیں
اسرائیل میں پائی جانیوالی عمومی رائے

www.pakistanipoint.com

www.pakistanipoint.com

اسرائیل کو تسلیم کرنا
پاکستان میں بحث کا موضوع

پاکستانی راہنماء ہمیشہ سے ان خبروں کی تردید کرتے رہے ہیں کہ پاکستان اور اسرائیل کے درمیان باضابطہ تعلقات ہیں۔ اندرونی دباؤ اور مسئلہ کی نزاکت کے باعث پاکستانی قائدین ہمیشہ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ وہ اسرائیل کے قریب نہیں ہو رہے۔ ستمبر 1993ء میں اوسلو معاہدے اور فلسطینی پی ایل او اور اسرائیل کا ایک دوسرے کو باہمی طور پر تسلیم کرنے کے باوجود اس وقت کے پاکستانی وزیراعظم معین قریشی نے پُرزور انداز میں کہا تھا کہ پاکستان اسرائیل کو تسلیم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ چند ماہ بعد پاکستان نے اسرائیلی سفارت کار کے دہلی میں دیئے جانے والے اس بیان کی تردید کردی کہ اسرائیل کو تسلیم کرنے کے حوالے سے دونوں ممالک رابطے میں ہیں۔ پاکستانی میڈیا نے اس بارے میں خاصے شکوک وشبہات کا اظہار کیا کیوں کہ وزیر خارجہ نے اسرائیل سے سفارتی رابطوں کی خبر دینے والے اہلکار کا کھوج لگانے کے لیے انکوائری کا حکم دیا تھا۔ جنوری 94ء میں امور خارجہ کی پارلیمانی کمیٹی کے سربراہ این ڈی خان نے ممبران کو بتایا کہ پاکستان اسرائیل کو تسلیم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ اس

www.pakistanipoint.com

لیے اس ملک کے ساتھ سفارتی تعلقات استوار کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مئی 94ء میں غزہ کے تنازعہ سے چند ماہ پیشتر پاکستان نے اسرائیلی اخبار میں چھپنے والی اس خبر کی تردید کی جس کے مطابق پاکستانی وزیراعظم بے نظیر بھٹو کی اسرائیلی صدر ایزر وائزمین سے جوہانسبرگ میں ملاقات ہوئی تھی۔ اخبار کے مطابق دونوں رہنما افریقہ کے صدر نیلسن منڈیلا کی حلف برداری کی تقریب کے دوران ایک دوسرے سے ملے۔ یہ ملاقات دونوں ممالک کے درمیان تعلقات معمول پر لانے کی طرف ایک قدم تھا جسے اسلام آباد کے سرکاری ترجمانوں کی طرف سے یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ "ایسی غیر مصدقہ اطلاعات ایک خاص ایجنڈے کا حصہ ہیں۔" اسی برس ستمبر میں وزیر خارجہ سردار آصف احمد علی نے قومی اسمبلی کو یقین دلایا کہ پاکستان کا اسرائیل کو تسلیم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں جب تک فلسطینی پی ایل او اور اسرائیل کے مابین ہونے والے معاہدے پر عملدرآمد نہیں ہوتا اور یروشلم کا مسئلہ حل نہیں ہوتا ایسا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ پاکستانی وزارت خارجہ نے اس رپورٹ کی بھی سختی سے تردید کر دی تھی کہ قتل ہونے سے چند ہفتے قبل اسرائیلی وزیراعظم اسحاق رابن نے اقوام متحدہ کی پچاس سالہ سالگرہ کی تقریبات میں پاکستانی وزیراعظم بے نظیر بھٹو سے ملاقات کی تھی۔

95ء میں امریکی معاون وزیر خارجہ رابن رافیل نے انکشاف کیا تھا کہ واشنگٹن پاکستان سے اسرائیل کو تسلیم کرانے کی ناکام کوشش کر چکا ہے۔ چند دنوں بعد جارج کلیمنٹ اور پاکستان کے خارجہ امور کمیٹی کے پارلیمانی سیکریٹری نے قومی اسمبلی کو یقین دہانی کرائی کہ پاکستان اسرائیل کو تسلیم کرنے کی تیاری نہیں کر رہا اور نہ ہی اس حوالے سے کسی قسم کی خفیہ سفارت کاری ہو رہی ہے۔ جون 1996ء میں پاکستان کے وزیر خارجہ سردار آصف احمد علی نے انکشاف کیا کہ اسرائیل نے دوطرفہ مسائل کے حل کیلئے پاکستان

سے خفیہ روابط کی کوشش کی تھی۔ مگر پاکستان نے اس سے انکار کر دیا۔ چند ماہ بعد وزارت خارجہ کے ترجمان نے اعلان کیا کہ اسرائیل کے بارے میں پاکستان کی پالیسی میں کوئی ردوبدل نہیں ہوا۔

اکتوبر 1998ء میں اسرائیلی میڈیا نے اسرائیلی صدر آئیز وائز مین اپنے پاکستانی ہم منصب رفیق تارڑ سے ترکی کی 75 سالہ تقریبات کے دوران انقرہ میں ملے۔ تارڑ وائز مین کی طرف بڑھے اور ہاتھ ملایا اور کہا:

"میں نے آپ کے متعلق سنا ہے کہ آپ امن کے داعی ہیں۔"

دونوں صدور نے امن کے حوالے سے بات چیت کی اور پاکستانی صدر نے امید ظاہر کی کہ ایک دن وہ دوبارہ ملیں گے۔ تاہم پاکستان نے اس ملاقات سے بھی یکسر انکار کر دیا اور میڈیا میں بھی اس ملاقات کے حوالے سے مثبت تبصرے شائع نہ ہوئے۔ ان انکار ہائے انکار کے باوجود پاکستان میں اسرائیل کے بارے میں ایک سنجیدہ بحث بھی شروع ہو چکی تھی۔

تعلقات کو معمول پر لانے کیلئے تعاون

میڈرڈ امن عمل شروع ہونے کے بعد پاکستان کے موقف میں قابل ذکر تبدیلی دیکھنے میں آئی اور پاکستان کے بعض سرکردہ رہنماؤں کا کہنا تھا کہ اگر چند شرائط پوری کر دی جائیں تو پاکستان اسرائیل کو تسلیم کر سکتا ہے۔ یہ حکمت عملی چین کے موقف سے ملتی جلتی تھی۔ جب چیئرمین ماؤ کے انتقال کے بعد چین نے اعلان کیا کہ چند شرائط کے ساتھ یہودی ریاست کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اسرائیل کو تسلیم کرنا اور اس کے ساتھ تعلقات استوار کرنا پاکستان میں اب کوئی بڑا مسئلہ نہیں رہا۔ حکومتی اہلکار اور سفارت کار اسرائیلی پالیسی

www.pakistanipoint.com

کے متعلق نظر ثانی کی ضرورت پر زور دے چکے ہیں۔

پاکستان میں جو اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کی بات کرتے ہیں۔ وہ عوامی سطح پر ہر دلعزیز نہیں اور نہ ہی وہ زیادہ جوشیلے ہیں۔ ان لوگوں کو اکثر سازشی یا اسرائیلی ایجنٹ کہہ کر خاموش کرا دیا جاتا ہے۔ جو لوگ اسرائیل کو مشروط طور پر تسلیم کرنے کی بات کرتے ہیں وہ آہستہ آہستہ نمایاں ہو رہے ہیں اور اپنی بات منوانے کیلئے پر جوش دکھائی دیتے ہیں۔ اس حوالے سے مثبت نوعیت کے بیانات پاکستان کے وزرائے اعظم، ان کے قریبی رفقاء، حاضر سروس سفارت کاروں، ریٹائرڈ جرنیلوں اور ان سب کے علاوہ مذہبی رہنماؤں کی طرف سے سامنے آئے۔ اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کے حوالے سے پاکستان میں اب اتفاق رائے نہیں پایا جاتا۔ متعدد اہم شخصیات پالیسی میں تبدیلی کرنے کے لیے کہہ رہی ہیں۔

اوسلو معاہدہ اور اسرائیل کے عرب ممالک کے ساتھ براہ راست رابطوں اور مذاکرات کے بعد پاکستان میں یہ تشویش پائی جاتی ہے کہ وہ اس سارے عمل سے باہر ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پاکستان سرعت کے ساتھ آگے بڑھنے کے لیے بھی تیار نہیں۔ جس کے نتیجے میں وہ خطے کے اہم ممالک کیلئے ایک اجنبی ملک ہے۔ پاکستانی رہنماؤں نے بالواسطہ طور پر یہ تسلیم کیا ہے کہ ملک اقتصادی اور سیاسی طور پر مشرق وسطی پر انحصار کرتا ہے جو فوری طور پر آگے بڑھنے سے روکتا ہے۔ اکتوبر 1995ء میں وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو نے اسرائیل کو تسلیم کرنے کے احکامات کو رد کرتے ہوئے کہا تھا کہ گولان کی پہاڑیوں اور یروشلم کا مسئلہ پہلے حل ہونا چاہئے۔ جنوری 1996ء میں ایک غیر متوقع پیش رفت سامنے آئی جب اسرائیل کے ایک سرکردہ اخبار نے وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کا انٹرویو شائع کیا۔ جس میں انہوں نے اپنے والد ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کا ذکر

کرتے ہوئے اسرائیلی وزیراعظم اسحاق رابن کے قتل کی شدید مذمت کی۔اس طرح ایف سولہ لڑاکا طیاروں کے حوالے سے پاک۔امریکہ تنازع اور براؤن ترمیم کی منظوری میں اسرائیل کی غیر جانبداری کو سراہنا ایک اور خلاف معمول پیش رفت تھی۔

یاد رہے کہ براؤن ترمیم کی منظوری پاکستان سے جوہری پابندی ہٹانے کا موجب بنی۔پاک اسرائیل تعلقات کے حوالے سے محترمہ بے نظیر بھٹو کا کہنا تھا کہ خطے کے کلیدی کردار جب اسرائیل کے قریب ہوں گے تو پاکستان فیصلہ کرنے کے قابل ہوگا۔حکومت کے خاتمے کے بعد بھی محترمہ کی پارٹی کا موقف یہی رہا۔جیسا کہ ستمبر 1997ء میں وزیراعظم نواز شریف کے قریبی ساتھی کی اسرائیل کو تسلیم کرنے کے حوالے سے تجویز پر پاکستان پیپلز پارٹی کا موقف تھا کہ پاکستان اکیلا یہ کیسے کرسکتا ہے۔پیپلز پارٹی کا موقف ہے کہ اس نازک مسئلہ کے بارے میں او آئی سی کو فیصلہ کرنا چاہئے اور مسلم اُمہ اس فیصلے کو تسلیم کرنے کی پابند ہونی چاہئے۔

ایسے کچھ اشارے ملتے ہیں کہ اپنے پہلے دور (93-1990) میں وزیراعظم نواز شریف پاکستان کی اسرائیل پالیسی پر نظر ثانی کرنے میں خاصی دلچسپی رکھتے تھے۔جنوری 1992ء میں بھارت کی طرف سے اسرائیل کے ساتھ مکمل سفارتی تعلقات استوار کرنے کے فیصلے نے بھی بظاہر پاکستان کو نظر ثانی پر اکسایا۔

نواز شریف کو ایسا کرنے سے مصر نے مبینہ طور پر منع کیا۔1997ء میں دوبارہ منتخب ہونے پر نواز شریف کے نقادوں نے امید ظاہر کی کہ دوسری بار وزیراعظم بننے پر اب وہ ایسی غلطی نہیں کریں گے۔اپنی انتخابی مہم کے دوران میاں نواز شریف نے اپنے سیاسی مخالفین پر اسرائیلی ایجنٹ ہونے کا الزام عائد کیا۔وزارت عظمیٰ کے دوران ان کی حکومت اسرائیل سے معمول کے تعلقات استوار کرنے کا عندیہ بھی دے چکی ہے۔شریف حکومت

www.pakistanipoint.com

کو اس حوالے سے ملک کی مذہبی حلقوں میں سے ایک کی حمایت بھی حاصل تھی۔

نواز شریف کے دوبارہ وزیر اعظم بننے کے بعد مولانا اجمل قادری جن کی جماعت جمعیت علمائے اسلام ملک کے آئین کو اہلسنت مکتبہ فکر کے مطابق ڈھالنے کی حامی ہے وہ اسرائیل کے دورے پر گئے۔ یہ مسلمانوں کی تیسری مقدس جگہ مسجد اقصیٰ کا محض زیارتی دورہ نہیں تھا۔اس دورے سے واپسی پر انہوں نے کہا کہ فلسطین کے وسیع تر مفاد کیلئے پاکستان کو چاہئے کہ وہ اسرائیل کو تسلیم کرے۔سازشی تھیوری کو ایک نیا موڑ دیتے ہوئے انہوں نے الزام عائد کیا کہ اسرائیل کے ساتھ مل کر بھارت اسلام کو تنہا کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔کیوں پاکستان اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات کی سہولت نہیں رکھتا۔اسرائیل سے متعدد اسلامی ممالک کے قائم ہونے والے سفارتی تعلقات کا حوالہ دیتے ہوئے مولانا نے موقف اختیار کیا کہ ہمیں دوسروں کی جنگ نہیں لڑنی چاہئے۔مولانا اجمل قادری کے ان بے باکانہ بیانات کا فوری ردعمل نہ ہوا۔ان کے حامی علماء کی طرف سے نہ ہی مخالفین کی طرف ،البتہ ان کے یہ نظریات نظرانداز نہیں کیے جاسکتے تھے۔تھوڑے عرصے بعد پنجاب سے تعلق رکھنے والے مذہبی رہنما پیر محمد اشرف نے بھی ان کے خیالات کی حمایت کی۔

اگست 1997ء میں اسرائیلی میڈیا کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان کے ایک مذہبی وفد نے اسرائیل میں ایک ہفتہ گزارا۔مقدس مقامات کی زیارت کے علاوہ یہ وفد وزارت خارجہ کے عہدیداروں سے بھی ملا اور اسرائیل میں واقع مقدس مقامات کی زیارت کیلئے پاکستانیوں کی آمدورفت کو بڑھانے پر زور دیا۔

ایک ماہ بعد عوامی قیادت پارٹی کے سربراہ مرزا اسلم بیگ نے بیان دیا کہ پاکستان کے اسرائیل کے ساتھ براہ راست اختلافات نہیں،ہم تنازع میں تیسرے فریق کی

www.pakistanipoint.com

حیثیت رکھتے ہیں۔لہٰذا ہمیں اسرائیل کو تسلیم کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہئے۔مرزا اسلم بیگ ظاہر ہے ایک عام سیاست دن نہیں وہ 91-1988 تک پاک فوج کے سربراہ رہے۔اس حوالے سے وہ پاکستان کی ایک اہم اور مؤثر شخصیت رہے ہیں۔

اسی ماہ نواز شریف کے قریبی معتمد صدیق الفاروق نے کہا کہ ایک یہودی ریاست کو تسلیم کرنے میں پاکستان کا کوئی نقصان نہیں۔یہ بیان نواز شریف کے دورہ امریکہ کے فوراً بعد منظر عام پر آیا تھا۔لہٰذا نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دقت نہیں ہونی چاہئے کہ ایسے حساس مسئلے پر ان کی تائید کے بغیر کوئی بات نہیں کی جاسکتی تھی۔صدیق الفاروق وزیراعظم نواز شریف کے سیکریٹری اطلاعات ہونے کے علاوہ مسلم لیگ (ن) کے ترجمان بھی تھے۔قدرتی طور پر ان کے مذکورہ بیان نے میڈیا اور سیاسی حلقوں میں ایک شدید ردعمل کو جنم دیا۔جس سے عوامی مزاج کو جاننے میں مدد ملی۔

حزب اختلاف کی جماعت پیپلز پارٹی نے الزام لگایا کہ وزیراعظم اپنے ذاتی نظریات اپنے ایک تنخواہ دار ملازم کے ذریعے منظر عام پر لا رہے ہیں اور خود عوامی غیظ و غضب سے بچے ہوئے ہیں۔اس رویے کو پاکستان اور اسلامی دنیا کے خلاف ایک سازش قرار دیا گیا۔

میڈیا اس صورتحال سے زیادہ دور نہیں رہا اور ملک کے اندر ہونے والی اس بحث میں برابر کا شریک رہا۔یاسر عرفات کی طرف سے اسرائیل سے مذاکرات پر آمادگی ظاہر کرنے پر جہاں تنقید ہوئی، وہیں اوسلو معاہدے کی روشنی میں اسرائیل کے ساتھ معمول کے تعلقات استوار کرنے کے سوال پر پاکستانی میڈیا نے نرم گوشہ ظاہر کیا۔

اوسلو معاہدے کے بعد نئی دہلی میں اسرائیلی سفیر نے انکشاف کیا کہ ان کا ملک خود کو

تسلیم کروانے کی بابت پاکستان سے بات چیت کے عمل میں ہے۔ پاکستانی وزارت خارجہ کے ترجمان کی طرف سے اس کی تردید کرتے ہوئے اعلان کیا گیا کہ مشروط طاقت میں ایسا عمل شروع کیا جاسکتا ہے۔ اسرائیل کے ساتھ معمول کے تعلقات استوار کرنے کے زبردست مخالف پاکستانی اخبار ''دی مسلم'' کو بھی اسرائیل کو تسلیم کرنا اسرائیل کے حامیوں اور فلسطین کے حمایتوں کے درمیان برابر کے فاصلے پر نشان راہ نظر آیا۔

ایک اور انگریزی روزنامے ''پاکستان آبزرور'' نے یاد دلایا کہ وائٹ ہاؤس میں ہونے والے مصافحہ نے مشرق وسطیٰ کی صورتحال کو یکسر بدل دیا ہے۔ تاہم اسرائیل کے ساتھ مستقبل میں ممکنہ بہتر تعلقات کے حوالے سے عرب ممالک کے ساتھ مشاورت ضروری ہے اور اسرائیل کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کے معاملے میں پاکستان کا رویہ منطقی اور متوازن ہونا چاہئے۔ اخبار نے سیاسی جماعتوں سے اپیل کی کہ وہ ایک مسئلے پر محض ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش نہ کریں بلکہ ایک سنجیدہ بحث کو فروغ دیں۔

بعض حلقوں نے جنوری 1997ء کے ہبران معاہدے کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ مشرق وسطیٰ میں امن عمل اب پیچھے کی جانب نہیں چلے گا۔ اس کے چند ہفتوں کے بعد جب اسرائیل نے مشرقی یروشلم میں نئے گھروں کی تعمیر شروع کی تو پاکستان کے ایک اخبار کے اداریے میں یہ امید ظاہر کی گئی کہ اس سے اسلامی دنیا میں موجود اسرائیل کیلئے نرم گوشہ رکھنے والوں کے حوصلے پست ہوں گے۔ لہٰذا اسرائیل کو اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنی چاہئے۔ مختصر یہ کہ مذکورہ روزنامے نے اس امر کی نشاندہی کردی کہ اسلامی دنیا میں بھی اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات استوار کرنے کے حامی موجود ہیں۔ معمول کے تعلقات کے حوالے سے عائد کی جانے والی شرائط مختلف ہیں۔ ان میں اسرائیل کا یروشلم

کو خالی کرنا سب سے اہم ہے۔ تاہم اس حوالے سے چند تجاویز اور بھی پیش کی جاتی ہیں۔

پاکستان میں ایک حلقے کا کہنا ہے کہ جب تک فلسطین اور اسرائیل اپنے تمام مسائل حل نہیں کر لیتے جس میں فلسطین کی رضامندی بھی شامل ہو، اس وقت تک تعلقات کو معمول پر نہیں لایا جاسکتا۔ بعض کا خیال ہے کہ پاکستان کو چاہئے کہ اسرائیل کو تسلیم کرنے کے حوالے سے جو شرائط ہیں ماسوائے چند بنیادی مطالبات کے، انھیں دیگر اسلامی ممالک کے ذریعے اسرائیل تک پہنچائے۔ ان تجاویز پر عمل درآمد نہیں ہوگا کیوں کہ ملک کا دانشور طبقہ اور میڈیا اسرائیل کا تسلیم کیا جانا اور اس سے معمول کے تعلقات استوار کرنے کو منظور کر چکے ہیں۔

www.pakistanipoint.com

اسرائیل کو کسی بھی سطح پر تسلیم کرنے کے
مسئلہ کشمیر پر اثرات مرتب ہوں گے۔
"دی مسلم" کا اداریہ

www.pakistanpoint.com

پاک، اسرائیل تعلقات کی مخالفت

پاکستان میں اسرائیل کے ساتھ معمول کے تعلقات استوار کرنے کے حوالے سے دھواں دھار بحثیں جاری ہیں۔ حالات کو جوں کا توں رکھنے کے مخالفوں کو عام طور پر پاکستان اور اسلام کے دشمن اور اسرائیل بھارت کے ایجنٹ کہا جاتا ہے۔ اسرائیل کو تسلیم نہ کیے جانے کے مسئلے کی حیثیت سیاسی سے زیادہ مذہبی ہے۔ اسرائیل کو تسلیم نہ کیے جانے کے حوالے سے پاکستانی حمایت اور اسرائیل کو تسلیم کیا جانا ایک ساتھ ممکن نہیں۔ فلسطین کا مسئلہ عربوں کا مسئلہ ہے نہ ہی اس کی حیثیت علاقائی ہے۔ بلکہ یہ ایک اسلامی مسئلہ ہے۔ ان بنیادوں پر پاکستان اسرائیل کے قریب ہونے کے سوال کو رد کر دیتا ہے حالانکہ ان دونوں ممالک کے درمیان کوئی جھگڑا یا تنازعہ نہیں ہے۔

مئی 1992ء میں بھارت کی طرف سے اسرائیل کے ساتھ معمول کے تعلقات استوار کرنے کے بعد امریکہ میں پاکستان کی امریکی سفیر عابدہ حسین کے یہودیوں کے متعلق اظہار خیال سے پاکستان میں شدید ردعمل سامنے آیا۔ انھیں صرف یہ کہنے پر کہ اگر اسرائیل اور عرب ممالک اپنے تنازعات ختم کر لیتے ہیں تو پھر پاکستان اسرائیل کو تسلیم کر سکتا ہے۔ کڑی نکتہ چینی کا سامنا کرنا پڑا۔

فلسطین کا اسرائیل کو تسلیم نہ کرنا، پاکستان کے بعض بااثر دانشور حلقوں کے زیر اثر ہے

اور جو عرب ممالک اسرائیل کے ساتھ معمول کے تعلقات استوار کرنے کی جانب پیش رفت کرتے ہیں وہ شدید تنقید کا نشانہ بن چکے ہیں۔ عرب ممالک جو اسرائیل سے بہتر تعلقات رکھنا چاہتے ہیں، بجائے ان کی پیروی کرنے کے بعض پاکستانیوں کا خیال ہے کہ پاکستان کا انکار ان اسلامی ملکوں کے لیے ایک نمونہ ہونا چاہئے جو اسرائیل سے تعلقات بنانا چاہتے ہیں۔ ایک ایسے ہی مبصر کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

"فلسطین کے یاسر عرفات اور اردن کے شاہ حسین کی طرح اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کا مطلب ہے کہ تمام عرب ممالک ان کی تقلید کرتے ہوئے یروشلم پر اسرائیلی قبضے کو درست مان لیں۔ اگر اللہ نہ کرے اسرائیل مکہ اور مدینہ پر قبضہ کرے اور عرب ممالک اس قبضے کو تسلیم کرلیں تو کیا باقی ممالک کو بھی ایسا کرلینا چاہئے؟"

اس مبصر کے خیال میں یہ ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے کہ وہ اپنی استعداد کے مطابق فلسطین کی آزادی کیلئے مسلح جدوجہد کرے۔ انہوں نے یروشلم کے مستقبل کے حوالے سے یاسر عرفات اور عرب ممالک کی حیثیت کو بھی چیلنج کیا۔ ایک اور مبصر نے سوال اٹھایا۔

"اگر عرب ممالک امریکہ کی آشیر باد کیلئے اجتماعی خودکشی کرنے کا ارادہ کرلیں تو کیا ہمیں بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے اس جہنم میں چھلانگ لگانی ہوگی۔"

بعض پاکستانی دانشوروں نے یاسر عرفات کی حیثیت پر سوال اٹھایا کہ وہ فلسطینیوں کے غیر متنازعہ اور متفقہ رہنما نہیں ہیں جب کہ حماس اور حزب اللہ کی سرگرمیوں کو سراہا گیا۔ اس مسئلہ کو کشمیر کے مسئلے کے ساتھ بھی جوڑا گیا جو پاکستان کی خارجہ پالیسی کا حساس ترین حصہ ہے۔ جیسا کہ اگست 1997ء میں یہ تجویز سامنے آئی کہ پاکستان اور اسرائیل کے

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

سفارت کار جنیوا میں ہونے والی اسلحہ کے خلاف کانفرنس میں ایک دوسرے سے ملاقات کریں۔

اس حوالے سے ''دی مسلم'' نے اپنے اداریے میں متنبہ کیا کہ اسرائیل کو کسی بھی سطح پر تسلیم کرنے کے مسئلہ کشمیر پر اثرات مرتب ہوں گے۔ اس طرح بھارت پر کشمیری مجاہدین کے خلاف لڑائی میں اسرائیلی مدد کا الزام بھی لگتا رہتا ہے۔ اسرائیل کے ساتھ معمول کے تعلقات میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تشویش ہے کہ پاکستان کے خلاف اسرائیل اور بھارت سازشوں میں مصروف رہتے ہیں۔

www.pakistanipoint.com

پاکستان کو اپنی جوہری تنصیبات کو محفوظ بنالینا چاہیئے
کیوں کہ امریکہ، اسرائیل اور بھارت اور ان کا مسلم
دنیا کے خلاف گٹھ جوڑ پاکستان کے جوہری
اثاثوں کو ختم کرنے کے درپے ہے۔
سازشی تھیوری یا حقیقت

www.pakistanbdrit.com

پاکستان کیخلاف
اسرائیل، بھارت سازش

پاکستان کیلئے بھارت، اسرائیل تعلقات اس کی سکیورٹی اور استحکام کیلئے باعث تشویش سمجھے جاتے ہیں۔ پاک، بھارت تعلقات کی روشنی میں ان خدشات کو آسانی سے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ پاکستانی میڈیا تواتر کے ساتھ بھارت، اسرائیل کی خفیہ معلومات میں تعاون کی افواہیں پھیلاتا رہتا ہے۔ کشمیر میں مجاہدین کے خلاف بھارتی سرکار کی مدد کیلئے اسرائیل پر فوجی بھیجنے کا الزام بھی لگتا رہا ہے۔

پاکستان میں شیعہ سنی فسادات کے حوالے سے بھی اسے اسرائیلی خفیہ تنظیم موساد اور بھارتی ایجنسی را کی ملی بھگت قرار دیا جاتا ہے تاکہ پاکستان غیر مستحکم ہو۔ بعض حلقے یہ الزام بھی عائد کرتے ہیں کہ غیر مسلم بھارتی باشندے جو عرب ممالک میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں وہ اسرائیل کیلئے جاسوسی کا کام کرتے ہیں۔ اسی طرح پاکستان کے جوہری دھماکوں سے چند روز قبل اندرونی پرواز کے دوران پی آئی اے کے طیارے کی ہائی جیکنگ کو بھی ،اسرائیل اور بھارت کی خفیہ تنظیموں کی مشترکہ کاروائی قرار دیا گیا تھا۔

ان الزامات کے پیچھے ایک بہت بڑا مسئلہ کارفرما ہے اور وہ ہے سازش۔ پاکستان بھی

www.pakistanipoint.com

ان سازشی تھیوریوں سے مبرا نہیں ہے جس میں اسے مشرق وسطیٰ کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔ یہ سازشی تھیوریاں خاص طور پر ''ہندو بھارت'' پاکستان کی خارجہ پالیسی کا ایک اہم حصہ ہے۔ بھارت میں قابل ذکر غیر ہندو آبادی اور اس کا سیکولر ریاست ہونے کا ناکام دعوی پاکستان کی توجہ کا مرکز رہتا ہے۔ بھارت کا صحیح معنوں میں ایک سیکولر ملک ہونا پاکستان کیلئے جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کا گہوارہ کہلوانے میں آڑے آئیگا۔

نتیجتاً بھارت اور اسرائیل تعلقات کو پاکستان اور مسلم دنیا کے خلاف ایک بنیادی خطرہ سمجھا جاتا ہے۔ اس سازشی تھیوری کی بنیاد پر پاکستان نے مشرق وسطیٰ کے ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات کو فروغ دیا ہے۔ اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے میں بھارت کی طرف سے تاخیر کے باوجود پاکستان نے بھارت کے اقدامات اور عرب ممالک سے اس کے تعلقات کو مشکوک بنا کر پیش کیا۔ بھارت کے اسرائیل کے ساتھ باضابطہ سفارتی تعلقات قائم ہونے کے بعد سازشی تھیوریوں میں شدت آگئی۔ معمول کے سفارتی تعلقات کے بعد ایک بہت بڑے ملک، مکار اور خطے میں اپنا تسلط قائم کرنے کا خواب دیکھنے والے بھارت نے اسلام اور پاکستان کے اعلانیہ دشمن اسرائیل کے ہاتھوں میں ہاتھ ملالیے ہیں۔ پاکستان کو اپنی جوہری تنصیبات کو محفوظ بنالینا چاہئے کیوں کہ امریکہ، اسرائیل اور بھارت اور ان کا مسلم دنیا کے خلاف گٹھ جوڑ پاکستان کے جوہری اثاثوں کو ختم کرنے کے درپے ہے۔

پاکستان میں ہونے والے بھارت اسرائیل تعلقات کے حوالے سے مباحث دیگر ممالک میں ہونے والے مباحث سے مختلف ہوتے ہیں۔ کیوں کہ ان میں نفرت، نسلی عصبیت اور حتی کہ یہودیوں کے خلاف جذبات بھی شامل ہوتے ہیں۔ شدید نفرت اور بغض کے یہ جذبات پاکستانی میڈیا کے بعض چھوٹے اور مقامی عناصر کے نہیں ہیں۔ بلکہ

www.pakistanipoint.com

پاکستان، اسرائیل تعلقات کی پس پردہ کہانی

سرکردہ اخبارات بھی بھارت، اسرائیل تعلقات کے حوالے سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔حتیٰ کہ انگریزی پریس بھی اس میں شامل ہے۔''صہیونی ریاست'' مغربی ممالک کا لگایا ہوا پودا''،''غیر قانونی ریاست'' اور مقبوضہ فلسطین' ایسی اصلاحات ہیں جو عام استعمال کی جاتی ہیں۔

ایک دفعہ صدر ضیاء الحق نے اسرائیل کو''صہیونی ریاست'' کہہ دیا تھا۔سازشی تھیوری کے مطابق بھارت اور اسرائیل خوفناک دیو ہیں جو آزادی کی جدوجہد کرنے والے نہتے فلسطینیوں اور کشمیریوں کے ہاتھوں شکست کھا رہے ہیں۔پاکستانیوں کے مطابق دونوں ممالک آپس میں مشترکہ قومی مفادات کے پیش نظر تعاون نہیں کر رہے بلکہ دونوں معاشرے بنیادی طور پر برائی کے گڑھ، استحصالی اور منحوس ہیں۔ یہودی عبرت انگیز ماضی کے ساتھ ایک سرکش قوم ہے اور ان کا مستقبل بھی ایسا ہی ہوگا اور بعض حوالوں سے ہندو یہودیوں سے بھی برے ہیں کیوں کہ ان کے ہاں اخلاقیات کا کوئی منظم ضابطہ موجود نہیں ہے۔

اسی سازشی تھیوری کے مطابق دونوں ممالک مسلمانوں کے خلاف خطرناک عزائم رکھتے ہیں اور مسلم اکثریتی علاقوں پر ناجائز قبضہ کیے ہوئے ہیں۔اسرائیل نے غزہ اور مغربی کنارے پر قبضہ کر رکھا ہے اور بھارت نے کشمیر پر۔مزید یہ کہ دونوں ممالک حقیقی طور پر برائی کا گھر ہیں اور ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ان دونوں ممالک کا جو مسلم دشمنی میں باؤلے ہیں، آپس میں اتحاد ہونا قدرتی بات ہے۔

''ہندو، یہود گٹھ جوڑ'' اور''برہمن صہیونی اتحاد'' پاکستان میں عام اصطلاحیں ہیں۔اس سازشی تھیوری کو اس وقت عروج حاصل ہوا جب اسرائیلی صدر وائزمن نے دسمبر 1996ء میں بھارت کا دورہ کیا۔پاکستان انگریزی اخبار''دی مسلم'' نے اپنے اداریے میں لکھا:

"اس دورے سے بھارت اسرائیل کے قریبی تعلقات اور ان دونوں کا اسلام اور تیسری دنیا کے مسلمان ممالک کے خلاف مشترکہ کاروائی کیلئے طویل المدتی منصوبہ بندی کا پتہ چلتا ہے۔گذشتہ کئی برسوں سے بھارت عرب ممالک کو چکمہ دے رہا ہے کہ اس کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات نہیں ہیں۔تاہم اب یہ بالکل واضح ہوگیا ہے کہ بظاہر یہ دوستی کا جھانسا دے کر بھارت عرب ممالک کی پیٹھ میں چھرا گھونپ رہا ہے۔ بھارت اور اسرائیل کا گٹھ جوڑ پاکستان اور تمام اسلامی دنیا کیلئے ایک خطرہ ہے۔اس اتحاد کا مقصد مسلمانوں کو مزید نقصان پہنچانا ہے۔"

یہ امر ذہن نشین رہنا چاہئے کہ یہ انداز فکر نیا نہیں ہے۔حتی کہ تقسیم برصغیر سے قبل بھی مسلم لیگ کے سرکردہ رہنما کانگریس پارٹی اور مجوزہ اسرائیلی ریاست میں ہم آہنگی دیکھتے تھے۔دسمبر 1938ء میں ایک مسلم لیگی رہنما نے برطانوی گوروں اور ہندوؤں کو مسلمانوں کیلئے یہودی قرار دیا۔یعنی یہودیوں کی طرح مسلمانوں کے دشمن۔ایک اور مسلم لیگی عبدالخالق نے اس سے بھی بڑھ کر کہا کہ مغرب کے حقیقی یہودی برطانوی ہیں اور مشرق کے ہندوٗ اور یہ دونوں شیطان کی اولاد ہیں۔سازشی تھیوری محض بھارت مخالف جذبات کا نتیجہ نہیں بلکہ پاکستان ان تھیوریوں کیلئے ایک زرخیز زمین ہے۔

پاکستان کے لوگ،ایک پاکستانی صحافی جو بعد میں وفاقی کابینہ میں بھی شامل ہوئے کے مطابق،ان سازشی تھیوریوں پر یقین رکھتے ہیں اور یہاں حکومتوں کا آنا جانا انہی سازشی تھیوریوں کے مرہون منت رہا ہے۔یہ سازشی تھیوریاں اقتدار کے بھوکے ان سیاستدانوں کی طرف سے گھڑی جاتی ہیں جنھیں حکومتی اختیارات حاصل ہیں۔ بھارت پر اسرائیل کے ساتھ گٹھ جوڑ کے الزام کے علاوہ پاکستانی رہنما اپنے سیاسی مخالفین پر متواتر یہ

www.pakistanipoint.com

الزام عائد کرتے رہتے ہیں کہ ان کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات ہیں۔

جون 1994ء میں وفاقی وزیر خالد کھرل نے اس وقت کے قائد حزب اختلاف نواز شریف پر یہ الزام عائد کیا تھا کہ انہوں نے اسرائیلی مدد سے بے نظیر بھٹو کی پہلی حکومت (1988-90) کو ختم کیا تھا۔ اسی طرح 1997ء کے عام انتخابات میں پاکستان کرکٹ ٹیم کے سابق کپتان اور تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان پر بھی یہ الزام لگا کہ وہ اسرائیلی ایجنٹ ہیں اور ان کی انتخابی مہم ایک کلب چلا رہا ہے۔ جس کے سرکردہ ارکان یہودی ہیں۔

عمران خان کو سر جیمز گولڈ اسمتھ کی طرف سے انتخابی مہم کے اخراجات کے لیے دو ارب ڈالر دینے کی بات بھی ہوئی۔ اس انتخابی مہم کے دوران قائد حزب اختلاف جو دوسری بار وزیر اعظم بھی بنے، نے الزام لگایا کہ ان کے مخالفین کو اسرائیل اور فرانس کی مدد حاصل ہے۔ حتیٰ کہ سر ظفر اللہ خان جنہوں نے اقوام متحدہ میں اہم کردار ادا کیا، وہ بھی سازشی الزام سے نہ بچ سکے۔ پاکستان کو سنیو ممالک میں شامل کرانے کے حوالے سے ان کی کوششوں کو مشکوک بنا دیا گیا اور الزام عائد کیا گیا کہ انہوں نے اپنی ذمہ داریوں سے بڑھ کر اقدامات کیے ہیں۔ سوال یہ اٹھایا گیا کہ وفاقی کابینہ کے ایک رکن کی حیثیت سے انھوں نے اپنے اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے امریکہ کے ساتھ اتفاق رائے کیا۔ مشاہد حسین سید، جو وزیر اعظم نواز شریف کے قریبی ساتھی اور وزیر اطلاعات رہے ہیں، نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ظفر اللہ خان کو امریکی وزیر خارجہ جان فاؤسٹر ڈولیز نے عالمی عدالت میں شمولیت کی یقین دہانی کرائی تھی۔ مختصر یہ کہ سر ظفر اللہ خان پر اسرائیل میں عرب حمایتی ہونے کا الزام لگا جب کہ عرب رہنما پاکستانیوں کے غیظ و غضب کا نشانہ بننے سے نہیں بچے تھے۔ گو کہ پاکستانی حکومت نے اسرائیلی وزیر اعظم

راسحاق کے قتل کی مذمت کی تھی تاہم پاکستانی میڈیا نے ان کی شخصیت کے ''اصل رنگ'' دکھانے ضروری سمجھے اور ثابت کیا کہ رابن فلسطینیوں کو منظم اور اپنے ظلم کا شکار بنائے ہوئے تھے۔

''دی مسلم'' نے لکھا:

''رابن کا قاتل اور وہ خود انتہا پسند تھے۔ ماسوائے ایک فرق کے ساتھ اور وہ یہ تھا کہ مقتول وزیراعظم کے دل میں لاکھوں بے گناہوں کا درد تھا جیسا کہ یاسر عرفات کے دل میں تھا۔ اسی لیے یاسر عرفات کو ان کی وفات پر لگا کہ وہ ایک دوست سے محروم ہو گئے ہیں۔ اسی طرح کے سخت الفاظ اردن کے شاہ حسین کے بارے میں بھی کہے گئے جنہوں نے اسلام دشمن اسرائیل کے ساتھ امن معاہدہ کیا۔''

سازشی تھیوریاں پاکستان کے موثر حلقوں کی ذہنی عکاسی کرتی ہیں اور ان کا پورے معاشرے پر ایک اثر ہے۔

یہ سازشی تھیوریاں پاکستان کے ساتھ اسرائیل کے معمول کے تعلقات میں ایک بڑی رکاوٹ ہیں۔ پاکستان اس کے ساتھ کیسے سفارتی تعلقات قائم کر سکتا ہے جو پوری اسلامی دنیا کا دشمن ہے۔ پاکستانی سیاستدانوں اور علماء کے قریبی تعلقات بھی دونوں ممالک کے درمیان معمول کے تعلقات استوار کرنے کے حوالے سے کسی بھی منطقی بحث میں آڑے آتے ہیں۔ ان سازشی تھیوریوں کے اثرات کو زائل کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ نہ پاکستان کیلئے اور نہ ہی اسرائیل کیلئے۔ امن عمل میں تعطل کی وجہ سے بھی پاکستان کیلئے اسرائیل کے ساتھ معمول کے تعلقات قائم کرنے میں دشواری ہے۔

ایک محتاط نتیجہ یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عرب اسرائیل تنازع کا پرامن حل یا کم از کم شام

www.pakistanipoint.com

پاکستان، اسرائیل تعلقات کی پس پردہ کہانی

اسرائیل امن معاہدے کی پیش رفت پاکستان کو اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم کرنے پر آمادہ کر سکتی ہے۔ امن عمل میں کسی قسم کی منفی کاروائی سے یہ پیش رفت کم ہو جائے گی اور سٹیٹس جوں کا توں قائم رہے گا۔

اسرائیلی وزیراعظم شین پالیو کے دور (1996-99) میں امن عمل میں سست روی کے باعث عرب ممالک اور اسرائیل سے تعلقات سرد مہری کا شکار ہو گئے۔ ان حالات میں پاکستان کیلئے یہ مشکل تھا کہ وہ عرب ممالک سے زیادہ سبک رفتاری کے ساتھ اسرائیل کی جانب بڑھتا۔ ایسا کوئی بھی اقدام پاکستان میں سیاسی طور پر قبول نہیں کیا جائے گا اور مذہبی حلقوں کی طرف سے اس کی شدید مخالفت ہوگی۔

اسرائیل کے ساتھ تعلقات کیلئے پاکستان مشرق وسطیٰ کے اہم ممالک جیسے ایران اور سعودی عرب کی اجازت جوہری زاویہ نگار سے بھی معاملے کو اہم ترین بنا دیتی ہے۔ جو ہری دھماکے کرنے سے قبل پاکستان کو جس عالمی اقتصادی دباؤ کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس سے عرب ممالک پر پاکستان کی معاشی انحصاری کی اہمیت بھی واضح ہو گئی تھی۔ لہٰذا اسرائیل کے ساتھ تعلقات کے سوال پر عرب ممالک کے کسی اعتراض کو پاکستان کیلئے نظر انداز کرنا آسان نہیں۔

دوسری طرف اسرائیل کو پاکستان کے ساتھ پُرامن تعلقات کے حوالے سے بھارت کے ساتھ قائم ہونے والے دوطرفہ تعلقات کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا۔ اسرائیل، بھارت کی پاکستان کے بارے میں تشویش سے بھی آگاہ ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ پاکستان ہی کی وجہ سے بھارت نے اس سے تعلقات قائم کرنے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس آگاہی کے باعث اسرائیل کے لیے پاکستان کے ساتھ ہونے والے رابطوں کو ظاہر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ پاکستان کے اسرئیل کے ساتھ بہتر تعلقات نئی دہلی کیلئے باعث

تشویش نہیں ہونے چاہیں۔ مگر اس ضمن میں اسرائیل کی جانب سے عجلت میں اٹھایا گیا کوئی بھی قدم بھارت کے ساتھ اس کے دفاعی تعلقات کو متاثر کرسکتا ہے۔ اس کے یہ خلاف کہ ماضی میں کیا درست تھا اسرائیل بھارت کے خدشات کو نظر انداز کر کے پاکستان کے ساتھ پُرامن تعلقات بنانے کے قابل نہیں ہوسکتا۔

پاکستان اور اسرائیل کے مابین سفارتی تعلقات کے فقدان کے باوجود دونوں ممالک کے باہمی رابطے مکالمے اور ملاقاتیں متواتر ہوتی رہتی ہیں۔ مشرق وسطیٰ میں کسی بھی اہم پیش رفت کے بارے میں متعدد بار دونوں ممالک کے موقف میں یکسانیت پائی گئی ہے۔ مزید یہ کہ دونوں ملکوں میں محدود سطح پر دفاعی اور حساس معاملات کے حوالے سے گفتگو ہو چکی ہے۔ جس میں جوہری مسئلہ بھی شامل ہے۔ پاکستان گو کہ اسرائیل کی اس تجویز سے مکمل طور پر اتفاق نہیں کرتا کہ باضابطہ سفارتی تعلقات استوار کیے جائیں تاہم اسرائیل کے ساتھ معمول کے تعلقات قائم کرنے کے بارے میں پاکستانی میڈیا میں بحث ومباحثے چلتے رہتے ہیں اور یہ موضوع اب شجر ممنوعہ نہیں رہا۔

پاکستان نے جب بھی اسرائیل کو تسلیم کیا تو یہ ایسا کرنے والا پہلا اسلامی ملک نہیں ہوگا۔ پاکستان کا سرائیل کے ساتھ براہ راست کوئی تنازعہ نہیں، لہٰذا وہ کسی ''سرد امن'' کیلئے مجبور نہیں ہوگا اور اس کے سامنے متعدد راستے کھلے ہیں۔ وہ جس کا چاہے انتخاب کرے۔

www.pakistanipoint.com

اسرائیل کو تسلیم کرنے کے ماڈلز

ترک ماڈل:

پاکستان اسرائیل کو بغیر سفارتی تعلقات قائم کیے فوری طور پر تسلیم کر سکتا ہے۔

ایرانی ماڈل:

شاہ ایران کی طرز پر بھی اسرائیل کو تسلیم کیا جا سکتا ہے جس میں تعلقات کو مخفی رکھا جائے۔

اردنی ماڈل:

سرکاری سطح پر تسلیم کیے بغیر اسرائیلی کے ساتھی قریبی سیاسی اور دفاعی تعلقات کیے جا سکتے ہیں۔

چینی ماڈل:

چین کی مثال بھی قابل تقلید ہے اور اس کی طرح عسکری رابطوں کے ذریعے سیاسی تعلقات کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔ مستقبل قریب میں ان تعلقات کی سیاسی حیثیت مستحکم ہونی چاہئے۔ غیر سیاسی سطح پر قائم ہونے والے ان سیاسی تعلقات کو ممکن ہے کہ دونوں ممالک میں عوامی سطح پر ظاہر کرنے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا جائے۔

www.pakistanipoint.com

www.pakistanipoint.com

پاکستان / اسرائیل تعلقات، کچھ اور حقائق

پاکستان اور اسرائیل تعلقات کی یہ پس پردہ کہانی ابھی ادھوری ہے۔ مکمل سچ ابھی سامنے نہیں آیا۔ یہ سچ آہستہ آہستہ سامنے آتا رہے گا۔ اس کتاب کے مصنف پی آر کمار سوامی نے کچھ کوشش کی۔ کچھ کوشش ہم کر رہے ہیں۔ کچھ بکھری معلومات نذر قارئین ہیں، تاکہ کچھ اور سچ بھی سامنے آسکے۔ یہ سچ وقت کے ساتھ ساتھ مزید بھی سامنے آتا رہے گا۔

☆☆☆☆

پاکستان، اسرائیل تعلقات غیر تسلیم شدگی سے لے کر افغان جنگ کے دوران میں قریبی تال میل تک ہر دور میں بدلتے رہے۔ ان دونوں مملکتوں کا قیام نظریاتی قرار دادوں پر مبنی رہا ہے اور دونوں ہی ریاستیں برطانوی سلطنت سے آزاد ہو کر وجود میں آئی تھیں۔ درحقیقت پاکستان اور اسرائیل کے مابین حکومتی سطح پر باضابطہ تعلقات کبھی قائم نہیں ہوئے۔ پاکستان سمجھتا ہے کہ اگر اسرائیل عرب ریاستوں سے کچھ معاہدے کر لے تو وہ اسرائیل سے اعلانیہ سفارتی تعلقات قائم کر لے گا۔ اس کے برعکس پاکستان کے اسرائیل مخالف تنظیم آزادی فلسطین سے قریبی تعلقات ہیں، مثلاً پاکستان کی جانب سے فلسطینی جنگجوؤں کے لیے کئی بار رسد رسانی اور طبی امداد کا بندوبست کیا گیا۔ نیز متعدد مواقع پر بین الاقوامی سطح پر پاکستان نے اسرائیل کے خلاف جارحانہ رویہ اپنایا جس کے

بعد پاکستان کے امریکہ سے تعلقات بھی کشیدہ ہوگئے۔ جب پاکستان کی جوہری صلاحیتوں کا افشا ہوا تو اسرائیل کو ہمیشہ ان جوہری صلاحیتوں سے خدشہ رہا۔ اسرائیل نے پاکستان کی جوہری تنصیبات پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا لیکن اسرائیل کی کچھ کلیدی شخصیات نے اس کی مخالفت کی جس کی بنا پر یہ حملہ نہیں ہوسکا۔

1990ء کی دہائی میں اوسلو معاہدہ کے بعد اسرائیل کے حق میں پاکستان کا رویہ کچھ نرم ہوا اور یہودی و پاکستانی نمائندوں کی ملاقاتیں شروع ہوئیں۔ ان ملاقاتوں میں اسرائیل کی اولین ترجیح سفارتی تعلقات کا قیام رہی، جبکہ پاکستان نے اسرائیل کے تئیں اپنی جارحانہ پالیسی کی وجہ بیان کرنے کی کوشش کی۔ پاکستان کی اس جارحانہ پالیسی کی اصل وجہ بالعموم عالم اسلام اور بالخصوص عالم عرب سے اتحاد کا مظاہرہ ہے۔ پاکستان اور اسرائیل استنبول میں قائم سفارت خانوں کے ذریعے باہمی مذاکرات میں حصہ لیتے ہیں یا ایک دوسرے کے ساتھ معلومات کا تبادلہ کرتے ہیں۔ 2010ء میں ویکی لیکس کے مطابق پاکستان نے استنبول میں قائم اپنے سفارت خانے کے ذریعے اسرائیل کو ایک دہشت گرد گروہ کے بارے میں معلومات فراہم کی تھیں۔

پاکستان اور اسرائیل تعلقات کی تاریخ

پاکستان اور اسرائیل کے درمیان سفارتی تعلقات قائم کرنے کی کوشش 1947ء میں کی گئی تھی، جب اسرائیل کے پہلے وزیراعظم ڈیوڈ بین گوریون نے ایک تار قائداعظم محمد علی جناح کو روانہ کیا تاہم قائداعظم نے اس تار کا کوئی جواب نہیں دیا۔ 1949ء میں باور کیا جاتا ہے کہ اسرائیل کی وزارت خارجہ نے کراچی میں اپنی نمائندگی قائم کرنے کی کوشش کی تھی، جو اس وقت پاکستان کا دارالحکومت تھا۔ اسرائیل، پاکستان کے ساتھ

www.pakistanipoint.com

کھل کر تجارتی تعلقات قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں پہلی بار رابطہ برطانیہ میں موجود پاکستانی ہائی کمشنر، اسرائیلی نمائندوں اور یہودی تنظیموں کے ایک وفد کے درمیان 1950ء کے آغاز میں ہوا تھا۔ پاکستانی حکومت سے یہ گزارش کی گئی تھی کہ وہ افغانستان میں بسنے والے چند سو یہودیوں کو بھارت جانے کے لیے گزرگاہ کا پروانہ دے تاکہ یہ لوگ اسرائیل میں جا کر آباد ہو سکیں۔ اس موقع پر پاکستان کی حکومت نے گزرگاہ کا پروانہ دینے سے انکار کر دیا تھا، بعدازاں یہ یہودی براستہ ایران، اسرائیل پہنچے تھے۔

1952ء میں سر ظفر اللہ خان پاکستان کے وزیر خارجہ بنے اور 14 جنوری 1953ء کو ظفر اللہ خان اور امریکا میں اسرائیلی سفیر ابا ایبن کے مابین نیویارک میں ایک خفیہ ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات کا موضوع دونوں ملکوں کے مابین سفارتی تعلقات تھے۔ ظفر اللہ خان نے اسرائیلی سفیر کو بتایا کہ ملک میں شدید مذہبی مخالفت کی وجہ سے اسرائیل کے ساتھ مستقبل قریب میں سفارتی تعلقات قائم نہیں کیے جا سکتے۔ ان کا کہنا تھا:

''اس کے باوجود کہ پاکستانی حکومت اسرائیل سے نفرت نہیں کرتی اور اسے مشرق وسطیٰ میں ایک ایسا عنصر سمجھتی ہے، جس کے بارے میں غور ہونا چاہیے۔''

تاہم انہوں نے اس ملاقات میں سردست ماہرین، طلبہ اور پروفیسروں کے باہمی دوروں کی منظوری کا اظہار کیا اور یہ بھی کہا کہ اگر عرب اسرائیل کے ساتھ کسی معاہدے پر تیار ہوئے تو پاکستان معاہدہ کرنے کے حق میں اپنا وزن ڈالے گا۔

مارچ اور اپریل 1954ء کے درمیان ظفر اللہ خان نے یہ بیانات دینے شروع کیے کہ اسرائیل کو نہ تو تسلیم کیا جائے گا اور نہ ہی پاکستان ایسا کرنے کا کوئی ارادہ رکھتا ہے۔ اس وزارتی دور کے دوران میں اسرائیل کے خلاف سخت گیر پالیسیاں اپنائی گئیں اور عرب ملکوں میں اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس طرح ظفر اللہ خان کی پالیسی

عرب ممالک ہی سے کلیدی تعلقات قائم کرنے میں معاون رہی تھی۔

اسرائیل کے ساتھ پاکستان کا رویہ

اسرائیل کی جنگ آزادی کے دوران اسرائیل کے واشنگٹن میں موجود سفارتی مشن کو اس بات کا علم ہوا کہ پاکستان اس بات کی کوشش میں تھا کہ عربوں کو فوجی امداد فراہم کی جائے، جس میں یہ افواہیں بھی شامل تھیں کہ ایک پاکستانی فوجی دستہ فلسطین بھیجا جانے والا ہے تاکہ وہاں پر اسرائیل کا مقابلہ کیا جا سکے۔ پاکستان نے چیکوسلوواکیہ سے 250,000 رائفلیں خریدیں جو ظاہری طور پر عربوں کے لیے تھے۔ یہ بھی بات عام ہوئی کہ پاکستان نے اطالیہ سے تین جہاز مصر کے لیے خریدے تھے۔

پاکستانی فضائیہ نے 1967ء کی چھ روزہ جنگ اور 1973ء کی 6 روزہ جنگ یوم کپور میں حصہ لیا تھا۔ سیف الاعظم، جس نے ایک پاکستانی جنگ میں پائلٹ کے طور کام پر کیا تھا، نے کم از کم 4 اسرائیلی جہازوں کو مار کر گرایا تھا۔ جنگ یوم کپور کے بعد پاکستان اور پی ایل او نے ایک معاہدے پر دستخط کیا تاکہ پی ایل او کے افسروں کو پاکستانی فوجی اداروں میں تربیت فراہم کی جائے گی۔ 1982ء کی جنگ لبنان میں پاکستانی رضا کاروں نے پی ایل او کے لیے کام کیا تھا اور ان میں سے کچھ کو بیروت کے محاصرے کے دوران قید میں لے لیا گیا تھا۔

پاکستان کے ساتھ اسرائیل کا رویہ

اسرائیل کا صحرائے نقب جہاں پاکستان پر حملے کے لیے اسرائیل مشق کر چکا ہے۔ 1981ء میں عراق کے نیوکلیر ری ایکٹر کو تباہ کرنے کے بعد اسرائیل نے مبینہ طور طور اسی طرز کا ایک حملہ کہوٹہ پر کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس کے لیے بھارت سے مدد کی

www.pakistanipoint.com

درخواست کی گئی۔ سیٹلائٹ سے دست یاب تصاویر اور انٹیلی جنس کی فراہم کردہ معلومات کی مدد سے اسرائیل نے مکمل پیمانے پر کہوٹہ کا تمثیلی نمونہ صحرائے نقب میں بنایا تھا جہاں ایف 16 اور ایف 15 کے اسکواڈرن ہوا باز یہ امکانی حملے کی مشق بھی کر چکے تھے۔

''ایشین ایج'' کے مطابق، صحافی ایڈرین لیوی اور کیتھرین اسکاٹ کلارک نے اپنی مشترکہ انگریزی کتاب

Deception: Pakistan, the US and the Global Weapons Conspiracy

میں یہ بات واضح کی کہ اسرائیلی فضائیہ کہوٹہ پر ہوائی حملے کا ارادہ رکھتی تھی۔ یہ حملہ 1980ء کی دہائی میں بھارت کی ریاست گجرات کے جامنگر کے فضائی اڈے سے کرنا تھا۔ کتاب کے مطابق مارچ 1984ء میں وزیر اعظم اندرا گاندھی نے اس پر رضامندی بھی ظاہر کر دی تھی جس سے بھارت، پاکستان اور اسرائیل نیوکلیائی تصادم کے بے حد قریب آ گئے تھے۔

مقالہ نمبر 41، میک نائر جسے یو ایس اے ایف کی ایئر یونیورسٹی نے شائع کیا تھا (مقالے کا انگریزی عنوان

India Thwarts Israeli Destruction of Pakistan's Islamic Bomb

تھا۔ یہ مقالہ بھی اس منصوبے کی تصدیق کرتا ہے۔ مقالے کے مطابق اسرائیل کی دل چسپی پاکستان کے کہوٹہ ری ایکٹر کو تباہ کرنے میں اس وجہ سے تھی کی وہ اسلامی بم کو روک سکے۔ بعد ازاں اس پیش رفت کو بھارت کی جانب سے روک دیا گیا کیوں کہ 1982ء میں اسرائیلی جنگی جہازوں کو درکار ایندھن کی فراہمی سے اس نے انکار کر دیا تھا۔ اسرائیل اپنی جانب سے ممکنہ حملے کو ایک مشترکہ بھارتی اسرائیلی کارروائی بنانا چاہ رہا

www.pakistanipoint.com

تھا تاکہ اس حملے کی پوری ذمے داری صرف اسی کے سر پر نہ رکھی جائے۔ مگر پاکستانی فضائیہ کو قبل از وقت اطلاع مل گئی اور کڑے حفاظتی انتظامات کے باعث اسرائیل کو حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

یکم اکتوبر 2015ء کو اسرائیلی وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو نے ایک امکانی بے چینی کی صورت حال کو اس وقت ٹال دیا جب انہوں نے نیو یارک کی سیر افینا میں اپنے عشائیے کو منسوخ کر دیا کیوں کہ وہاں پر پاکستان کے وزیر اعظم نواز شریف بھی رات کے کھانے پر آ رہے تھے۔

فوجی و انٹیلی جنس تعاون

اسرائیل اور پاکستان، دونوں سرد جنگ کے دوران مغربی ممالک کے اتحادی تھے، جب بھارت سوویت یونین کا اتحادی تھا۔ بھارت نے افغانستان پر سوویت قبضے کی حمایت کی تھی اور سوویت حامی قائد محمد نجیب اللہ کی مدافعت کی تھی۔ پاکستان اور اسرائیل نے سوویت قبضے کی مخالفت کی تھی۔

وکی پیڈیا کے مطابق پاکستان کے اسرائیل کے ساتھ دفاعی تعاون کی تاریخ 1980ء کی ابتدائی دہائی سے تعلق رکھتی ہے جب جنرل ضیاء الحق نے آئی ایس آئی کو یہ اجازت دی تھی کہ وہ ایک خفیہ ڈائریکٹوریٹ قائم کرے۔ یہ انٹیلی جنس دفاتر پاکستان اور امریکہ کے سفارت خانوں میں بنائے گئے جو واشنگٹن ڈی سی میں واقع تھے جہاں آئی ایس آئی اور سی آئی اے نے ایک دہائی تک سوویت مخالف کارروائیوں کو جاری رکھا، جس کا علامتی نام آپریشن سائیکلون رکھا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس آپریشن میں کسی نہ کسی طرح موساد بھی شامل تھی۔ (وکی پیڈیا کی اس اطلاع کی کہیں سے بھی تصدیق نہیں ہوتی۔) اس

تعاون کے حصے کے طور پر اسرائیل نے سوویت ساختہ ہتھیاروں کو افغان باغیوں کو فراہم کیا تھا جو سوویت یونین سے افغانستان میں لڑ رہے تھے۔

ویکی لیکس نے ایک سفارتی دستاویز میں انکشاف کیا کہ آئی ایس آئی نے خفیہ طور پر موساد کو یہ اطلاعات فراہم کیں کہ اسرائیلی شہریوں کو ستمبر اور نومبر 2008ء کے بیچ حملے کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے، جیسا کہ 26 نومبر کے ممبئی حملے میں ہوا تھا، جس کے ٹارگٹ میں ایک یہودی مرکز دی نریمن ہاؤز بھی تھا۔

سفارتی تعلقات

جنرل پرویز مشرف نے بطور صدر پاکستان سب سے پہلے اسرائیل سے سفارتی تعلق کی وکالت کی تھی۔ کچھ اسرائیلی قائدین کا خیال ہے کہ پاکستان کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کیے جانے چاہیے کیوں کہ ممکن ہے کہ پاکستان/اسرائیل اور عالم اسلام کے ایک پل کا کام کر سکتا ہے جس میں عرب ممالک بھی شامل ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ ان دو ممالک نے سرکاری طور پر تعلقات قائم نہیں کیے ہیں لیکن اس طرح کی اطلاعات ہیں کہ کئی سرکردہ پاکستانی شخصیات اسرائیل کا دورہ کر چکی ہیں۔

1992ء میں بھارت کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات کو معمول پر لانے کے فوری بعد واشنگٹن میں موجود پاکستانی سفیر عابدہ حسین نے پاکستان کے سیاسی حلقوں میں اپنے ایک بیان سے بھونچال پیدا کر دیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ''اگر تنازع کے فریقین (عرب اور اسرائیلی) اپنے اختلافات سلجھا لیتے ہیں، تو پاکستان کو اسرائیل کو تسلیم کر لینا چاہیے۔''

اس موقع پر ایک پاکستانی تبصرہ نگار نے ان سے پوچھا:

www.pakistanipoint.com

"محترمہ سفیر صاحبہ، اسلام کا تیسرا مقدس ترین شہر القدس (یروشلم) طاقت کے زور پر قبضہ کرلیا گیا ہے اور یہودی سلطنت کا حصہ بنالیا گیا ہے اور آپ ایک نسل پرست، غیر منصفانہ اور غیر انسانی حکومت کو تسلیم کرنے کا نذرانہ پیش کرنا چاہتی ہیں۔"

فلسطین کی جانب سے اسرائیل کے تسلیم کیے جانے کو پاکستان کے کچھ دانشور طبقوں کی جانب سے پسندیدگی کی نظروں سے نہیں دیکھا گیا۔ اس کی وجہ سے کچھ عرب حکومتیں جو اسرائیل کے ساتھ امن قائم کرنا چاہتی ہیں، شدید تنقید کا نشانہ بنیں۔ ان لوگوں کی دیکھا دیکھی کرتے ہوئے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی بجائے یہ لوگ پاکستان کے انکار کو ان تمام اسلامی ممالک کے لیے نمونہ قرار دیتے ہیں جو اسرائیل کے ساتھ سلامتی کے طلب گار ہیں۔ ایک تبصرہ نگار کے الفاظ اس طرح تھے:

"فلسطین کے یاسر عرفات اور اردن کے شاہ حسین کی طرح اسرائیل کو تسلیم کرنا... گویا القدس شریف کے قبضے کو تسلیم کرنا ہے۔ اگر (خدانخواستہ)، اسرائیل مکہ و مدینہ پر قبضہ کرے اور عرب ممالک اسے تسلیم کریں، تو کیا باقی عالم اسلام اسے تسلیم کرے گا؟

اسرائیل کے سابق سفیر برائے بھارت مارک سوفر کئی منفرد اقدامات کے لیے جانے جاتے ہیں۔ ان کوششوں میں کچھ ایسی کوششیں شامل تھیں جن کا بظاہر مقصد یہ تھا کہ بھارت کے مسلمانوں کو اسرائیل کے نزدیک لانا اور اسرائیلی سفارت خانے کے دائرہ کار کو برصغیر میں توسیع دینا۔ ان ہی اقدامات میں سے ایک اقدام یہ بھی تھا کہ بھارت میں موجود اسرائیلی سفارت خانے کی ویب سائٹ کو ہندی اور اردو دونوں زبانوں میں جاری کرنا۔ بھارت میں کسی بھی بیرونی سفارت خانے نے اپنی ویب سائٹ کو بیک وقت ہندی اور اردو میں جاری نہیں کیا۔ کچھ سفارت خانوں نے اپنی ویب سائٹ کا ہندی میں ترجمہ ضرور کیا ہے، مگر یہ ترجمہ ہندی زبان کے بھارت میں سرکاری موقف، بیش تر ثقافتی

نوعیت اور جذبہ خیر سگالی کے طور پر کیا گیا ہے۔ ہندی کے برعکس اردو بھارت کے زیر قبضہ جموں و کشمیر میں سرکاری زبان کا درجہ رکھتی ہے اور کچھ ریاستی حکومتوں کی جانب سے دوسری سرکاری زبان کا موقف حاصل کر چکی ہے۔ تاہم اردو بھارت کے زیادہ تر جدید اسکولوں میں نہیں پڑھائی جاتی اور اس وجہ سے اکثر غیر مسلم اور کئی مسلمان نوجوان اس زبان اور اس کے رسم الخط سے بالکل ناآشنا ہیں۔ پھر بھی مسلمانوں کے مذہبی ادب کی اس زبان میں موجودگی اور دینی مدارس کی اس زبان میں ذریعہ تعلیم کی وجہ سے اردو زبان کو عام طور سے مسلمانوں سے جوڑ کر دیکھا جاتا ہے۔ لہذا یہ واضح کیا گیا کہ اسرائیلی سفارت خانہ بھارت کے مسلمانوں کو اپنی جانب راغب کرنا چاہتا ہے اور یہ ایک سرکاری طور پر کوشش ہے۔ اس بات کو مزید تقویت اس وجہ سے بھی حاصل ہوئی کہ 3 ستمبر 2008ء کو مارک سوفر نے اجمیر پہنچ کر خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ پر حاضری دی۔ یہ پہلا موقع تھا جب کسی اسرائیلی سفارت کار نے کسی مسلمان درگاہ یا مقام زیارت پر حاضری دی ہو۔ اس کے علاوہ انہوں نے اس موقع پر دنیا میں قیام امن کے لیے تصوف کی بھی پرزور حمایت کی۔ انہوں نے تصوف کا موازنہ قبالہ سے کیا جو یہودیوں میں تصوف کی ایک قسم ہے۔

اسرائیلی سفارت خانے کی ویب سائٹ کے اردو ترجمے کے پس پردہ دوسری اہم بات یہ تھی کہ اردو پاکستان کی قومی زبان ہے۔ اس وجہ سے یہ بھی ایک پیام ممکن تھا کہ دہلی میں موجود اسرائیلی سفارت خانہ اپنے دائرہ کار کو غالباً پاکستان تک توسیع دینا چاہتا ہے۔ جیسا کہ سنگاپور میں موجود اسرائیلی سفارت خانہ اپنا دائرہ کار مشرقی تیمور تک بھی رکھتا ہے، شاید وہ پاکستان تک توسیع دے سکتا ہے۔ خود مارک سوفر نے 2008ء میں اپنے دورہ اجمیر کے وقت منعقدہ صحافتی کانفرنس میں اس بات کو آشکار کر دیا کہ کچھ مسلمان ممالک

اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کر چکے ہیں اور اگر پاکستان بھی اسرائیل کے ساتھ قریبی تعلقات بنانے کا خواہش مند ہے تو اسرائیل اس کا مثبت جواب دے گا۔ انہوں نے اس معاملے میں کسی تیسرے فریق کے متاثر ہونے یا اس معاملے میں اثر انداز ہونے کو ایک سرے سے خارج کر دیا۔

سابق صدر پاکستان پرویز مشرف نے کھل کر اسرائیل کے ساتھ کے تعلقات کی بات کی۔ وہ پہلے پاکستانی مسلمان تھے جن کا ہاریٹز کی مصنفہ دانا ہارمن نے لندن میں انٹرویو لیا۔ اسی طرح پاکستان کے سابق وزیر خارجہ خورشید قصوری نے بھی پاکستان کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات کی حمایت کی تھی۔

کھیل کے میدان میں تعاون

پاکستانی ٹینس کھلاڑی اعصام الحق قریشی نے سب سے پہلے ایک اسرائیلی کھلاڑی کے ساتھ مل کر میچ کھیلا۔ فٹ بال وہ واحد کھیل ہے جس میں یہ دو ممالک ایک دوسرے کے آمنے سامنے 1960ء کے ایشین کپ کوالیفائروں میں دیکھے گئے تھے۔ ومبلڈن اوپن میں اسرائیلی ٹینس کھلاڑی عامر حداد نے پاکستانی کھلاڑی اعصام الحق کے ساتھ تیسرے دور کا ڈبلز کھیلا۔ اسرائیلی اور پاکستانی ٹیم، جس میں ایک اسرائیلی اور ایک پاکستانی تھا، سرخیوں کا حصہ بنی۔ یہ دل چسپ ساجھے داری ایس اوپن مقابلوں میں بھی دیکھی گئی جہاں ان کھلاڑیوں کے ہم وطن جمع ہو کر ان کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ متحدہ طور پر ان دونوں کھلاڑیوں نے آرجنٹینا کے ماریانو ہوڈ اور سیبا سچین پریٹو کو شکست دی تھی۔ ڈان کیزیل، جو ایک اسرائیلی نژاد جرمن کھلاڑی کے طور پر جانے جاتے ہیں، پاکستانی کرکٹ ٹیم کے تربیت کار اور فزیوتھراپسٹ رہ چکے ہیں اور وہ لاہور میں قیام پزیر رہے۔

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

پاکستان/اسرائیل
اہم نکات

☆ 1949ء میں فلپائن ایئر لائنز ایک واحد فضائی خدمت گار کمپنی کے طور پر ابھری جو کراچی اور لوڈ (تل ابیب) کے درمیان ہوائی رابطہ قائم کر چکی تھی جب وہ منیلا/لندن کے لیے خدمات فراہم کر رہی تھی۔ تاہم یہ پتہ نہیں چلا کہ ان دونوں کے بیچ کتنے مسافروں اور کتنے کارگو کا تبادلہ ہوا۔

☆ دونوں ملکوں کے درمیان پہلا رابطہ برطانیہ میں موجود پاکستانی ہائی کمشنر، اسرائیلی نمائندوں اور یہودی تنظیموں کے درمیان 1950ء کی دہائی میں ہوا تھا۔ مذاکرات کا اہم موضوع معاملتوں کو آگے بڑھانا اور کھلے کاروبار کو فروغ دینا تھا۔

☆ 14 جنوری 1953ء کو ظفر اللہ خان اور ابا ایبان کے درمیان اجلاس ہوا جو امریکہ کے لیے اسرائیل سفیر تھے۔ یہ اجلاس بہتر اسرائیلی پاکستانی تعلقات پر مرکوز تھا۔

☆ 1992ء میں امریکہ میں پاکستانی خاتون سفیر عابدہ حسین نے اس توقع کا اظہار کیا کہ پاکستان مستقبل میں اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم کر سکتا ہے۔

☆ وکی پیڈیا کے مطابق 1993ء میں سابق وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے ایک

www.pakistanipoint.com

سرکردہ اسرائیلی نمائندے سے ملاقات اپنے واشنگٹن ڈی سی دورے کے دوران کی تھی جو اس ملاقات کے لیے اسرائیل سے جہاز میں آیا تھا۔

☆ 1998ء میں اس وقت کے وزیر اعظم نواز شریف نے اپنے اسرائیلی ہم منصب بنیامین نیتن یاہو کو ایک خفیہ خط لکھ کر اطلاع دی کہ پاکستان اپنی نیوکلیر ٹیکنالوجی کو ایران کے ساتھ اس کے نیوکلیر پروگرام کی مدد کے لیے استعمال نہیں کرے گا۔

☆ 2003ء میں صدر پرویز مشرف نے ان امکانات کا اظہار کیا جن کی وجہ سے اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کیے جا سکتے ہیں۔

☆ 2005ء میں پاکستان اور اسرائیل کے وزرائے خارجہ نے پہلی بار مل کر تبادلہ خیال کیا۔ تاہم اس اجلاس کے بعد مشرف نے واضح کیا کہ پاکستان مملکت اسرائیل کو تسلیم نہیں کرے گا جب تک کہ مملکت فلسطین کا قیام نہ ہو۔

☆ 2008ء میں اسرائیلی سفیر برائے بھارت مارک سوفر نے کہا اسرائیل پاکستان کے اسے تسلیم کیے جانے کے وقت کے ساتھ اس کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے تیار ہے۔

☆ 2015ء میں اسرائیلی سائنس دان رمضٰی سلیمان نے ایک سائنسی کانفرنس میں شرکت کی جسے پاکستان اکیڈمی آف سائنسز نے لاہور میں اسپانسر کیا تھا۔

☆ 2017ء میں بھارت کے اپنے سرکاری دورے کے دوران بنیامین نیتن یاہو نے اس تجویز کو خارج کر دیا کہ ان کے ملک کی بھارت کے ساتھ شراکت پاکستان کے لیے خطرے کی گھنٹی ہے۔ انہوں نے کہا:

''ہم (اسرائیل) پاکستان کے دشمن نہیں ہیں اور پاکستان کو بھی ہمارا دشمن نہیں ہونا چاہیے۔''

www.pakistanihunt.com

001, January 1, 1997; Khalilul Rehman, "Growing of the nexus", *The Frontier Post*, January 17, 1997; "Raphel's real mission?", Editorial, *Khabrain*, January 24, 1997, in *FBIS-NES*-97-017, January 24, 1997; "Pak-Iran relations: Beyond hiccups", *The Muslim*, January 24, 1997, in *FBIS-NES*-97-017, January 24, 1997; "Indo-Israeli nexus", *The Frontier Post*, May 4, 1997, in *FBIS-NES*-97-125, May 5, 1997; and "The axis of Americanism, Hinduism and Zionism", Editorial, *The Muslim*, October 12, 1997, in *FBIS-NES*-97-287, October 14, 1997. The author is gratetul to Sreedhar Rao for his valuable help in obtaining some of the sources cited above.

186. "Weizman's India visit: Zionist-Brahmin alliance against Pakistan", Editorial, *The Muslim*, January 3, 1997, *FBIS-NES*-97-003, January 3, 1997.

187. Pirzada, *Foundations of Pakistan*, vol.2, pp.317. Emphasis added. However, following an admonition from League President Jinnah, Khaliq withdrew his remark, "Jews of the East and the West are sons of Shylock.'

188. Mushahid Hussain, *Pakistan's Politics*, p.34.

189. According to him, Israeli assistance consisted of a massive amount of steel scraps, provided free or sold at a nominal price, and brought into Pakistan by an Israeli ship. *Radio Pakistan*, January 30, 1994, in *FBIS-NES*-94-022, February 2, 1994, pp.57-58.

190. *Pakistan*, January 4, 1997, in *FBIS-NES*-97-003, January 4, 1997.

191. *The News*, January 7, 1997, in *FBIS-NES*-97-007, January 9, 1997.

192. *The News*, May 11, 1998, in *FBIS-NES*-98-131, May 11, 1998.

193. For instance, pondering the reasons for Pakistan joining SEATO, Ayub Khan observed: "One must really ask Chaudhry Zafrullah Khan, who was then Foreign Minister" Ayub Khan, *Friends not Masters: A Political Autobiography*, (London: Oxford University Press, 1967), p.157.

194. Mushahid Hussain and Akmal Hussain, *Pakistan: Problems of Governance*, (New Delhi: Konark, 1994), p.33.

195. "Let us see Rabin in his true colors", Editorial, *The Muslim*, November 6, 1995, in *FBIS-NES*-95-215-S, November 7, 1995, pp.13-14. Emphasis added.

196. P.R.Kumaraswamy, *India and Israel: Evolving Security Partnership, Security and Policy Studies no.40*, (Ramat Gan: BESA Center for Strategic Studies, 1998). See also, P.R.Kumaraswamy, "Israeli-Pakistani normalization: Green light from India?", *Strategic Analysis*, (New Delhi), vol.21, no.1, December 1997, pp.1355-1365.

www.pakistanipoint.com

NES-97-224, August 12, 1997.

177. *The Pakistani Observer*, December 15, 1993, in *FBIS-NES*-93-240, December 16, 1993, pp.68-69.

178. *The Frontier Post*, May 27, 1998, *FBIS-NES*-98-147, May 27, 1998.

179. For a recent and detailed discussion see, Daniel Pipes, *The Hidden Hand: Middle East Fears of Conspiracy*, (New York: St. Martin's Press, 1996). In his assessment, in Pakistan, "Muslims pay little attention to Communist, Hindu and other non-Western conspirators....", p.137.

180. It is essential to remember that even the Hindu-nationalist Bharatiya Janata Party (BJP), which assumed office following the 1998 Parliamentary elections, is not committed to making India a religious state like Pakistan. In spite of all signs of extremism, the BJP, unlike its Pakistani counterparts, does not seek to oblige the legislature or judiciary to conform to Hindu laws.

181. For a comprehensive account of "this conspiracy" see, Muhammad Hamid, *The Unholy Alliance: Indo-Israeli Conspiracy Against the Muslim World*, (Lahore: Islamic Book Center, 1978).

182. Syed A.I. Tirmazi, "Slashing the defense budget?", *The Muslim*, January 15, 1997, *FBIS-NES*-97-010, January 15, 1997.

183. *The Muslim*, February 6, 1998, in *FBIS-NES*-98-038, February 7, 1998.

184. Among others see, Mujtaba Razvi, "Interrelationship between Zionism, imperialism and racism", *Pakistan Horizon*, vol.38, no.3, 1985, pp.75-83; Jassim Taqui, "US double standards in Asia", *The Muslim*, January 24, 1998, in *FBIS-NES*-98-025, January 25, 1998; "UN: A powerless debating society or a powerful platform to reward the guilty?", Editorial, *The Muslim*, March 10, 1997, *FBIS-NES*--97-047, March 10, 1997; and S.M. Koreshi, "Today Iraq, tomorrow Pakistan", February 16, 1998, in *FBIS-NES*-98-047, February 16, 1998.

185. Among others see, Khalil Qureshi, "Indo-Israeli tie against Muslims", *The Frontier Post*, May 5, 1992, in *JPRS-NEA*-92-080, June 23, 1992, pp.4-5; Hazoor Ahmad Shah, "The Hindu-Zionist collusion: A potential threat to Ummah", *The Pakistan Times*, May 21, 1993, in *JPRS-NEA*-93-083, July 21, 1993, pp.30-31; "Close military cooperation between India and Israel", Editorial, *Jang*, May 18, 1993, in *JPRS-NEA*-93-083, July 21, 1993, p.40; "A disturbing development", Editorial, *The Frontier Post*, January 1, 1997, in *FBIS-NES*-97-001, January 1, 1997; "India's *Trishul* test and Israeli President's visit", Editorial, *Nawa-i-Waqt*, January 1, 1997, *FBIS-NES*-97-

www.pakistanipoint.com

162. *The Muslim*, September 29, 1997, in *FBIS-NES*-97-273, September 30, 1997.
163. Since the formation of the state, the military has often functioned as the final political arbitrator in Pakistan. The process of democratization that unfolded in 1988 has not diminished the role and influence of the military, especially the chief of army staff.
164. *The Muslim*, September 29, 1997, *FBIS-NES*-97-273, September 30, 1997; and "Recognizing Israel", Editorial, *The Nation*, September 30, 1997, in *FBIS-NES*-97-275, October 2, 1997.
165. "Don't rush in where..." Editorial, *The Muslim*, December 27, 1993, in *FBIS-NES*-93-248, December 29, 1993, p.42. Emphasis added.
166. "Pak-Israel contacts", *The Pakistan Observer*, December 27, 1993, in ibid., p.43. Emphasis added.
167. Rashid Ahmad Khan, "An important achievement of the Middle East peace process", *The Nation*, February 8, 1997.
168. "Israel's defiance", Editorial, *The Nation*, March 20, 1997. The author is grateful to Sreedhar Rao for this reference.
169. "Recognizing Israel", Editorial, *The Nation*, September 30, 1997, *FBIS-NES*-97-275, October 2, 1997.
170. "The issue of Israel's recognition", Editorial, *The Frontier Post*, November 17, 1994, *FBIS-NES*-94-222, November 17, 1994, p.60.
171. Ibid.,
172. Qazi Faez Isa, "Pakistan's foreign policy: Sold to architects of the New World Order", *The Dawn*, May 8, 1992, in *JPRS-NEA*-92-073, June 11, 1992, p.1.
173. Israrul Haque, "Why we should not recognize Israel?" *The Nation*, October 24, 1997. The author is grateful to Sreedhar Rao for bringing this article to his attention.
174. "The Islamic summit: Attempt to secure the recognition of Israel and Pakistan", *Nawa-i-Waqt*, December 11, 1994, in *FBIS-NES*-94-239, December 13, 1994, pp.55-56. Similarly, some of the Pakistani media also criticized Malaysian Prime Minister Mahathir Mohammed for suggesting "constructive dialogues" with Israel. "Dr. Mahathir, most welcome", Editorial, *The Muslim*, April 7, 1997, in *FBIS-NES*-97-100, April 10, 1997.
175. Israrul Haque, "Why we should not recognize Israel?" *The Nation*, October 24, 1997; and "Don't run in where ..." *The Muslim*, December 27, 1993, *FBIS-NES*-93-248, December 29, 1993, p.42.
176. "Cooperation with Israel", Editorial, *The Muslim*, August 10, 1997, in *FBIS-*

www.pakistanipoint.com

"The nuclear test in South Asia: Implications for the Middle East", *Strategic Assessment*, no.2, July 1998, pp.7-9.

142. *Pakistan Television*, September 14, 1993, in *FBIS-NES*-93-177, September 15, 1993, p.57.
143. "Don't rush in where ...", Editorial, *The Muslim*, December 27, 1993, *FBIS-NES*-93-248, December 29, 1993, p.42.
144. *Radio Pakistan*, January 30, 1994, in *FBIS-NES*-94-022, February 2, 1994, p.57.
145. *The Muslim*, May 12, 1994, in *FBIS-NES*-94-092, May 12, 1994, pp.55-56.
146. *Pakistan Television*, September 4, 1994, in *FBIS-NES*-94-173, September 7, 1994, p.90.
147. *The News*, December 10, 1995, in *FBIS-NES*-95-237, December 11, 1995, p.95.
148. Ibid., p.94. The Israeli media has been making similar suggestions since early September 1993. Among others see, David Makovsky, "US: Deal will help Israel with Moslem countries", *The Jerusalem Post*, September 7, 1993. See also *The Jerusalem Post*, September 26, 1993.
149. *Radio Pakistan*, December 17, 1995, in *FBIS-NES*-95-243, December 19, 1995, pp.69-70.
150. *The Nation*, June 3, 1996, in *FBIS-NES*-96-109, June 5, 1996, p.55.
151. *Radio Pakistan*, September 19, 1996, in *FBIS-NES*-96-184, September 23, 1996.
152. *Yedioth Ahronoth*, October 30, 1998, in *SWB/FE*/3373, November 2, 1998, p.A/7.
153. Abil Ullah January, "The Ankara pact trap", *The Frontier Post*, November 3, 1998, in *FBIS-NES*-98-307, November 3, 1998.
154. Yitzhak Shichor, "Small cracks in the Great Wall: The prospects for Sino-Israeli relations", *Institute of Jewish Affairs Research Report*, (London), no.5, August 1987, p.9.
155. *Radio Pakistan*, October 15, 1995, in *FBIS-NES*-95-199, October 16, 1995, p.89.
156. Ms. Benazir Bhutto's interview, *Yedioth Ahronoth*, (Tel Aviv), *Sheva Yamim* weekend supplement, January 19, 1996, pp.44-45.
157. *The Muslim*, September 29, 1997, in *FBIS-NES*-97-273, September 30, 1997.
158. Sai Tirmizia, "What goes against Nawaz acceptability", *The Muslim*, January 24, 1997, in *FBIS-NES*-97-019, January 26, 1997.
159. "West's pro-India stance", Editorial, *Jasarat*, January 26, 1997, *FBIS-NES*-97-019, January 26, 1997.
160. Zaigham Khan, "Shalom Maulvi", *The Herald*, July 1997, p.19.
161. *Ma'ariv*, August 12, 1997, in *FBIS-NES*-97-224, August 12, 1997.

www.pakistanipoint.com

127. For a comprehensive discussion see, Steve Weissman and Herbert Krosney, *The Islamic Bomb: The Nuclear Threat to Israel and the Middle East*, (New York: Times Books, 1981).
128. Responding to Zia's March 1986 statement, Leonard Spector suggested that it was a symbolic gesture rather than a commitment to share nuclear weapons or technology. Leonard Spector, *Going Nuclear*, (Cambridge, MA: Ballinger, 1987), p.287n.
129. Nazir Kamal, "Indo-Israeli defense ties", *The News*, March 5, 1997, in *FBIS-NES-97-044*, March 5, 1997.
130. *The Frontier Post*, April 22, 1998, in *FBIS-NES-98-114*, April 24, 1998.
131. Shireen M. Mazari, "The security route", *The News*, April 16, 1998, in *FBIS-NES-98-106*, April 16, 1998.
132. Prime Minister Nawaz Sharif's statement, *Pakistan Television*, May 28, 1998, in *SWB/FE/3240*, May 30, 1998, p.A/4.
133. Statement of Shamshad Ahmad Khan, *Pakistan Television*, May 30, 1998, in *SWB/FE/3241*, June 1, 1998, p.A/2. See also, *Pakistan Television*, June 4, 1998, *SWB/FE/3246*, June 6, 1998, p.A/7.
134. *Yedioth Ahronoth*, June 10, 1998, in *SWB/FE/3251*, June 12, 1998, p.A/5.
135. Likewise, he refused comment on reports in Pakistan that India had conducted two nuclear tests for Israel. Sharif's interview to *Al-Ittihad*, (Abu Dhabi), June 7, 1998, in *SWB/FE/3249*, June 10, 1998, p.A/6.
136. *Jang*, June 4, 1998, in *SWB/FE/3246*, June 6, 1998, pp.A/6-7.
137. Gohar Ayub Khan's interview to *La Repubblica*, June 10, 1998, in *SWB/FE/3251*, June 12, 1998, p.A/6.
138. Mushahid Hussein Syed's interview to Israel's *Channel 2 Television*, June 5, 1998, in *SWB/FE/3247*, June 8, 1998. Ironically, it was Pakistani Prime Minister Bhutto who first talked about an Islamic bomb.
139. *Yedioth Ahronoth*, June 19, 1998, in *SWB/FE/3259*, June 22, 1998, pp.A/7-8.
140. Ran Marom, "Israel's position on non-proliferation", *The Jerusalem Journal of International Relations*, vol.8, no.4, December 1986, pp.113-114; Shai Feldman, "The bombing of Osirak: Revisited", *International Security*, vol.7, no.2, Fall 1982, pp.139-140; and Haim Shaked, "The nuclearization of the Middle East: The Israeli raid on Osirak", *Middle East Contemporary Survey, 1980-1981*, pp.185-186.
141. See, Shai Feldman, *Nuclear Weapons and Arms Control in the Middle East*, (Cambridge, MA: MIT Press, 1997), p.42; Gerald Steinberg, "A Pakistani and not 'Islamic bomb'", *Yedioth Ahronoth*, May 29, 1998; and Shai Feldman,

114. *Pakistan Radio*, June 21, 1988, in *FBIS-NES*-88-122, June 24, 1988, p.56.
115. Quoted in Shlomo Aronson, *The Politics and Strategy of Nuclear Weapons in the Middle East: Opacity, Theory and Practice, 1960-1991- An Israeli Perspective*, (New York: State University of New York Press, 1992), pp.262-263.
116. A formal agreement to this effect was signed on December 31, 1988 and came into force in January 1993. For the text of the agreement see, *PPNN Newsbrief*, (Southampton), no.6, July 1989, p.12.
117. Among others, see, Interview with US ambassador to Pakistan Deane Hinton, *The Dawn*, May 26, 1987, in *Pakistan Horizon*, vol. 40, no.2, 1987, p.218; *The Muslim*, March 28, 1988, in *JPRS-NEA*-88-032, pp.36-37; *Pakistan Radio*, June 21, 1988, in *FBIS-NES*-88-122, June 24, 1988, p.55; "Need to remain vigilant", Editorial, *Mashriq*, January 6, 1991, in *JPRS-NEA*-91-023, April 12, 1991, pp.71-72; and *The Muslim*, July 3, 1991, in *FBIS-NES*-91-133, pp.29-30.
118. *The Jerusalem Post*, July 29, 1991.
119. "American commandos' secretive activities", Editorial, *Jasarat*, March 9, 1994, in *JPRS-NEA*-94-020, April 29, 1994, p.71.
120. Quoted in *Strategic Digest*, (New Delhi), February 1998, pp.273-274.
121. "The Israeli plan to attack Pakistan's nuclear installations", Editorial, *Jang*, May 18, 1998, in *FBIS-NES*-98-139, May 19, 1998. See also, Fahd Husain and Umar Farooq, "You hit us, we hit back", *The Nation*, May 23, 1998, *FBIS-NES*-98-143, May 23, 1998; *The News*, May 18, 1998, *FBIS-NES*-98-138, May 18, 1998; and *Jang*, May 22, 1998, in *SWB/FE*/3235, May 25, 1998, pp.A/6-7.
122. *Al-Jazeera Television*, (Doha, Qatar), May 27, 1998, in *SWB/FE*/3239, May 29, 1998, p. A/4. See also *La Repubblica* (Rome), June 10, 1998, in *SWB/FE*/3251, June 12, 1998, p.A/6.
123. *Indian Express*, July 20, 1998. See also, *MENA News Agency*, May 31, 1998, in *SWB/FE*/3243, June 3, 1998, p. A/7; and *MENA News Agency*, June 1, 1998, in *SWB/FE*/3243, June 3, 1998, p.A/9.
124. *Kol Israel*, June 1, 1998, in *SWB/FE*/3243, June 3, 1998, p.A/9. There are suggestions that this assurance was also conveyed in a direct telephone conversation between the Israeli and Pakistani ambassadors in Washington.
125. *Radio Pakistan*, June 6, 1998, in *SWB/FE*/3247, June 8, 1998, p/A/4. Emphasis added.
126. Silvan Shalom's interview to *IDF Radio*, May 29, 1998, in *SWB/FE*/3240, May 30, 1998, p.A/10.

www.pakistanipoint.com

97. Among others see, M.A. Ahmed to Edmund de Rothschild, February 25, 1963, *ISA, MFA* File No. 3432/37; and Ahmed to Rothschild, April 21, 1967, *ISA, MFA* File No. 4056/29; and Rothschild, to Israeli ambassador in London Arthur Lourie, 26 June 1962, *ISA, MFA File No.* 3432/37.
98. *International Documents on Palestine, 1974*, (Beirut: Institute for Palestine Studies, 1977), p.226.
99. For an interesting discussion of the Israeli-Nepalese relations see, Richard J. Kozichi, "Nepal and Israel: Uniqueness in Asian relations", *Asian Survey*, vol.9, no.5, May 1969, pp.331-342.
100. Greer Fay Cashman, "Nepalese Minister: We 'indirectly brokered' Pakistan-Israel relations", *The Jerusalem Post*, November 21, 1993.
101. Moreover, in recent years, Nepal has become a major destination for Israeli tourists, thereby increasing the prospects of low-level Israel-Pakistan contacts.
102. *The News*, January 22, 1992, in *FBIS-NES*-92-015, January 23, 1992, pp.56-57.
103. *Far Eastern Economic Review*, September 10, 1992, p.8. See also, *The Jerusalem Report*, December 31, 1992, p.9.
104. Uriel Heyd to Moshe Sharett, September 7, 1950, *Documents on the Foreign Policy of Israel*, 1950, vol.5, pp.522-523 and Companion Volume 5, p.195.
105. This period coincided with the Afghan crisis, when both Israel and Pakistan were reportedly helping the Afghan *mujahedin* against the Soviet army.
106. *Channel 2 Television*, June 19, 1998, in *FBIS-NES*-98-170, June 19, 1998.
107. Quoted in *Israeli Foreign Affairs*, (Sacramento, CA), April 1987, p.4.
108. See the text of Pollard's August 1986 memo to the court in Bernard R. Hunderson, *Pollard: The Spy's Story*, (New York: Alpha, 1988), pp.51-78; Wolf Blitzer, *Territory of Lies*, (New York: Harper and Row, 1988); *Indian Express*, March 28, 1998; and *Israeli Foreign Affairs*, April 1981, p.1.
109. For the text of Rajiv Gandhi's October 1985 speech at the National Defense College (New Delhi), see, *Indian Express*, October 14 and 15, 1985.
110. Bharat Karnad, "Knocking out Kahuta", *The Sunday Observer*, (New Delhi), January 17, 1988. Emphasis added.
111. Victor Ostrovsky, *By Way of Deception*, (Toronto, Ont: Stoddart, 1990), p.127.
112. Israel Shahak, *Open Secrets: Israeli Foreign and Nuclear Policies*, (London: Pluto, 1997), p.32.
113. Karnad, "Knocking out Kahuta".

www.pakistanipoint.com

83. Aaron J. Sarna, *Boycott and Blacklist: A History of Arab Economic Warfare against Israel*, (Totowa, NJ: Rowman and Littlefield, 1986), pp.145-146. Interestingly, when Israel's Foreign Ministry Director-General Walter Eytan flew to India in February 1952 for an official visit, he had to stop over in Pakistan. Though he stayed overnight in a hotel, as an Israeli he was not allowed to leave the airport.
84. *The Jerusalem Post*, September 19, 1994.
85. For a skeptical assessment of this claim see, Ephraim Klieman, "Is there a secret Arab-Israeli trade?", *Middle East Quarterly*, vol.5, no.2, June 1998, pp.11-18.
86. *Kol Israel*, March 9, 1987, *JPRS-NEA*-87-038, March 30, 1987. Interestingly at that time neither the destination (Pakistan) nor the conduit (India) had diplomatic relations with Israel.
87. *The Jerusalem Post*, November 8, 1993.
88. *The News*, September 14, 1995, in *FBIS-NES*-95-179, September 15, 1995, p.84. For a critical view see, "Why should there be commercial ties with Israel?", *Khabrain*, September 15, 1995, in *FBIS-NES*-95-179, September 15, 1995, p.85.
89. *The News*, September 18, 1995, in *FBIS-NES*-95-181, September 19, 1995, p.70.
90. *The Jerusalem Report*, October 22, 1992, pp.9-10.
91. *Globes*, July 20, 1998, in *FBIS-NES*-98-201.
92. Leslie Susser, "PR Pilgrimage", *The Jerusalem Report*, July 1, 1993, pp.10-111.
93. *Israel Yearbook and Almanac 1994*, (Jerusalem), p.267. This disclosure appears to be an oversight. In preceding as well as subsequent years, visitors from Pakistan, if any, were never identified separately.
94. Abba Eban to Moshe Sharett, November 3, 1952, *Documents on the Foreign Policy of Israel*, vol.7, pp.603-604. See also, Shmuel Divon to the head of the Israeli delegation to the UN, January 22, 1952, *Documents on the Foreign Policy of Israel*, vol.7 p.42; and Summary of the meeting between Abba Eban and H. Byroade, June 17, 1952, *Documents on the Foreign Policy of Israel*, Companion Volume 7, pp.145-146.
95. This contrasts with the repeated American pressure on India to normalize relations with Israel.
96. Melvin Salberg and Abraham H. Foxman to Shahryar Khan, August 12, 1992. See also, Abraham H. Foxman to Jamsheed K. A. Markar, August 21, 1992. The author is grateful to the ADL office in Jerusalem for the copies of these letters.

www.pakistanipoint.com

Secretary of the Palestine National Council, quoted in *MENA*, August 29, 1994, in *FBIS-NES*-94-168, August 30, 1994, p.3.

67. *The Jerusalem Post*, August 26, 1994.
68. Ibid., August 29, 1994.
69. Ibid., August 25, 1994. Emphasis added.
70. Rabin went on: "You do not declare in the media, 'I am going to come to Gaza, and I'm not willing to see any Israeli. We have no problem with the lady from Pakistan or her representative visiting, but they have to apply in orderly fashion." *The Jerusalem Post*, August 30, 1994.
71. Ms. Bhutto's interview to *Al-Wasat*, (London), December 19-25, 1994, in *FBIS-NES*-94-249, December 28, 1994, p.68.
72. "Israel's puerile show of authority", Editorial, *The Frontier Post* (Peshawar), August 31, 1994, in *FBIS-NES*-94-170, September 1, 1994, p.58. See also, Moonis Ahmar, "Pakistan and Israel- Distant adversaries or neighbors?", *Journal of South Asian and Middle Eastern Studies*, vol.20, no.1, Fall 1996, pp.31-34.
73. *The Jerusalem Report*, November 17, 1994.
74. See *The News*, September 14, 1995, in *FBIS-NES*-95-179, September 15, 1995, p.84.
75. *The News*, January 22, 1992, in *FBIS-NES*-92-015, January 23, 1992, pp.56-57.
76. Quoted in F.J. Khergamwala, "India-Israel ties: Who gains what?", *The Hindu*, February 10, 1992. See also, *The Jerusalem Report*, December 31, 1992, p.9.
77. Ms. Bhutto's interview to *Al-Wasat*, December 19-25, 1994, in *FBIS-NES*-94-249, December 28, 1994, p.68.
78. "Contacts with Israel?", Editorial, *Khabrain*, February 21, 1995, in *FBIS-NES*-95-035, February 22, 1995, pp.72-73.
79. Hanan A. Cidor to Foreign Ministry, November 18, 1958, *ISA, MFA*, File no. 3110/19.
80. *Radio Pakistan*, November 6, 1995, *FBIS-NES*-95-215-S, November 7, 1995, p.13.
81. *The News*, September 14, 1995, in *FBIS-NES*-95-179, September 15, 1995, pp.84-85.
82. *The News*, May 4, 1996, *FBIS-NES*-96-088, May 6, 1996, pp.92-93. One participant was quoted as saying that while Pakistan presented an account of its battle against terrorism in Karachi, Israeli participants "explained threats facing their country from the Iran-backed groups such as Hamas and Hizbullah."

www.pakistanipoint.com

campaign pre-dated the formation of Pakistan, it gathered momentum by 1952 and the series of anti-Ahmadiyya riots culminated in the imposition of martial law in Lahore in February 1953. The military, however, backed Zafrulla Khan because it feared that his "departure would scuttle attempts to steer Pakistan into the US camp." Yunas Samad, *A Nation in Turmoil: Nationalism and Ethnicity in Pakistan, 1937-1958*, (New Delhi: Sage, 1995), p.142. The *ulama* eventually succeeded and in 1974, through a constitutional amendment, the Ahmadiyyas were declared non-Muslims. Sir Zafrulla Khan, Pakistan's most articulate representative in the international scene died as *kafir* in his "homeland".

55. Walter Eytan to Abba Eban, September 20, 1953, *Documents on the Foreign Policy of Israel* 1953, vol.8, p.667. Emphasis added.
56. Stanley Wolpert, *Zulfi Bhutto of Pakistan: His Life and Times*, (New Delhi: Oxford University Press, 1993), p.97.
57. Salmaan Taseer, *Bhutto: A Political Biography*, (London: Ithaca Press, 1979), p.28. Emphasis added.
58. Wolpert, *Zulfi Bhutto of Pakistan*, p.233.
59. Shabtai Rosenne to the Foreign Office, *ISA, MFA*, File no. 3110/19. Emphasis added. This type of public approval and private criticism of Zafrulla Khan's stand is not confined to the Palestine question alone. He played an important role in Pakistan joining the US camp during the Cold War, yet many Pakistani commentators and leaders subsequently criticized him for committing Pakistan to CENTO against the expressed wishes of the cabinet.
60. Lawrence Ziring, *The Ayub Khan Era: Politics in Pakistan, 1958-1969*, (Syracuse, NY: Syracuse University Press, 1971), p.62.
61. *The Economist*, December 12, 1981.
62. At that time the Israel government was committed to non-recognition of the PLO and hence Zia's statement did not elicit any favorable response from Israel. *The Jerusalem Post*, March 16, 1986.
63. "OIC summit: Sacrificial alter of principles", Editorial, *The Muslim*, March 25, 1997, in *FBIS-NES*-97-97-084, March 25, 1997.
64. *Kol Israel*, August 24, 1994, in *FBIS-NES*-94-165, August 25, 1994, pp.7-8.
65. Since the establishment of the Palestinian Authority, all foreign leaders who visited the Palestinian areas also visited Israel, and vice-versa. Likewise, all Arab countries that have opened missions in the Gaza Strip also maintain offices in Israel.
66. Muhammad Subbayh, Palestinian representative to the Arab League and

42. David Goitein to Moshe Sharett, July 31, 1953, *Documents on the Foreign Policy of Israel* 1953, vol.8, p.553. Likewise two days earlier he observed: "if only thirty [million] goes to whole M[iddle] E[ast] including Pakistan and Israel, *the immediate danger is lessened*. Ibid., p.549. Emphasis added. See also Abba Eban to Moshe Sharett, August 6, 1953, ibid., pp.571-572.
43. Summary of the meeting between Abba Eban and Gideon Rafael with Sir Zafrulla Khan, January 14, 1953, *Documents on the Foreign Policy of Israel*, 1953, vol.8, pp.26-28 and Companion Volume 8, pp.17-18.
44. Lawrence Ziring, *The Ayub Khan Era: Politics in Pakistan, 1958-1969*, (Syracuse, NY: Syracuse University Press, 1971), p.76.
45. Chaim Weizmann to Bernard Joseph, September 13, 1945, in *The Letters and Papers of Chaim Weizmann, Series A*, (Jerusalem: Israel Universities Press, 1979) vol.22, p.47.
46. Ibid.,
47. Chaim Weizmann to Sir Zafrulla Khan, January 4, 1948, in *The Letters and Papers of Chaim Weizmann, Series A*, (Jerusalem: Israel Universities Press, 1979) vol.23, p.75.
48. Ibid. Interestingly, during the pre-state years none of the leading figures of the Zionist movement met their counterparts in the Indian nationalist movement.
49. *Aide-Memoire by the Ambassador of Israel in Washington*, March 3, 1952, *ISA, MFA*, File 2401/1. Shortly afterward, Arab League secretary-general Azzam Pasha dismissed the suggestion and declared that the Arab countries would never make peace with Israel. Quoted in Gideon Rafael to Moshe Sharett, March 17, 1952, *Documents on the Foreign Policy of Israel*, vol.7, pp.113-115 and Companion Volume 7, p.53.
50. Moshe Sharett to M. Namir, October 25, 1949, *Documents on the Foreign Policy of Israel* 1949, Companion Volume 4, p.224.
51. Ibid. and Summary of Y.H. Levin-H. Evatt meeting in Canberra, September 8, 1949, in *Documents on the Foreign Policy of Israel*, 1949, vol.4, pp.447-448.
52. Abba Eban to A.S. Bokhari, June 3, 1952, *ISA, MFA* File no. 2410/9.
53. Summary of the meeting between Abba Eban and Gideon Rafael with Sir Zafrulla Khan, January 14, 1953, *Documents on the Foreign Policy of Israel*, 1953, vol.8, pp.26-28 and Companion Volume 8, pp.17-18.
54. Zafrulla Khan was probably referring to the anti-Ahmadiyya campaign of the *ulama* who argued that Ahmadiyyas were heretics and hence demanded the removal of the Foreign Minister from the government. Though this

www.pakistanipoint.com

30. Michael Brecher, *India and World Politics: Krishna Menon's View of the World*, (London: Oxford University Press, 1968), p.79. In a similar incident on the eve of India's partition the Muslim League boycotted the Asian Relations Conference organized by Nehru in April 1947. The official explanation was that he had invited a ten-member Jewish delegation from Palestine, led by Prof. Hugo Bergman.
31. Quoted in Sangat Singh, *Pakistan's Foreign Policy: An Appraisal*, (London: Asia Publishing House, 1970), p.91. Prime Minister H S Suhrawardy made a similar statement a few years later. Cited in M. A. Ahmed to Edmund de Rothschild, February 25, 1962, *ISA, MFA* File No.. 3432/37.
32. For detailed discussions see, Farooq Naseem Bajwa, *Pakistan and the West: The First Decade, 1947-1957*, (Karachi: Oxford University Press, 1996), pp.162-202; and Burke, *Pakistan's Foreign Policy*, pp.181-188.
33. M.S. Comay to Foreign Ministry, December 31, 1956, *ISA, MFA*, File no. 3110/19. Emphasis added.
34. Ibid., March 27, 1957, *ISA, MFA*, File no. 3110/19.
35. Dayan's confidential briefing to Israeli newspaper editors, October 9, 1973, in *International Documents on Palestine, 1973*, (Beirut: Institute for Palestine Studies, 1976), p.292.
36. Mushahid Hussain, *Pakistan's Politics: The Zia Years*, (New Delhi: Konark, 1991), p.236.
37. Noor Ahmad Baba, *Organization of Islamic Conference: Theory and Practice of Pan-Islamic Cooperation*, (New Delhi: Sterling, 1994), pp.101-102.
38. Tariq Ali, *Can Pakistan Survive? Death of a State*, (London: Verso, 1983), p.224n; and Shah, *The Foreign Policy of Pakistan*, p.27.
39. President Zia ul-Haq's January 23, 1984 statement, in *Pakistan Horizon* (Karachi), vol. 37, no. 1, 1984, p.195.
40. Among others see, Sabiha Hasan, "The Casablanca Islamic summit", *Pakistan Horizon*, vol.37, no.1., January 1984, pp.78-80; and Baba, *Organization of Islamic Conference*, pp.167-168.
41. Eliashiv Ben-Hornis to Foreign Ministry, June 30, 1953, *Documents on the Foreign Policy of Israel* 1953, (Jerusalem: Israel State Archives, 1980 ff), Companion Volume 8, p.241. Abba Eban even suggested that the US ambassadors in the region were advising that Washington should use military assistance to improve its relations with Pakistan, Iraq, Syria and Egypt, in that order. Eban to the Foreign Ministry, September 21, 1953, *Documents on the Foreign Policy of Israel* 1953, Companion Volume 8, p.318.

www.pakistanipoint.com

16. Leonard Stein, *The Balfour Declaration*, (London: Vallentine Mitchell, 1961), pp.496-501.
17. See Gideon Shimoni, *Gandhi, Satyagraha and the Jews: A Formative Factor in India's Policy towards Israel*, (Jerusalem: Leonard Davis Institute, 1977); Margaret Chatterjee, *Gandhi and his Jewish Friends*, (London: Macmillan, 1992); and P.R.Kumaraswamy, "Mahatma Gandhi and the Jewish National Home: An assessment", *Asian and African Studies* (Haifa), vol.26, nos. 1-2, 1992, pp.1-13.
18. Incidentally, this meeting took back against the background of Mufti's offer to bury the body of Shaukat Ali's elder brother Mohammed, who died in London in *Harem al-Sharif* in Jerusalem's Muslim quarters.
19. The UN General Assembly appointed two sub-committees to examine the proposals of the UNSCOP. While the first Committee examined the partition plan proposed by the majority members of the UNSCOP, the second Committee examined the Arab proposal for a unitary Palestine.
20. Muhammad Zafrulla Khan, "Thanksgiving Day at Lake Success, November 27, 1947", in Walid Khalidi (ed.), *From Haven to Conquest: Readings in Zionism and the Palestine Problem until 1948*, (Beirut: The Institute of Palestine Studies, 1971), p.716.
21. Michael Comay to B. Gering, December 3, 1947, *ISA, MFA*, File no. 2266/15.
22. S.M. Burke, *Pakistan's Foreign Policy: An Historical Analysis*, (London: Oxford University Press, 1973), p.138.
23. Quoted in T.G. Fraser, *Partition in Ireland, India and Palestine: Theory and Practice*, (New York: St. Martin's Press, 1984), p.176. Emphasis added.
24. Burke, *Pakistan's Foreign Policy*, p.66.
25. Even though India initially adopted similar positions, in September it recognized the Jewish state and allowed an Israeli consular mission in Bombay. For a discussion of recognition, see, P.R.Kumaraswamy, "India's recognition of Israel, September 1950", *Middle Eastern Studies*, vol.31, no.1, January 1995, pp.124-138.
26. *ISA, MFA*, File no. 2424/19.
27. Quoted in Prithvi Ram Mudiam, *India and the Middle East*, (London: British Academic Press, 1994), p.39.
28. For the complete text of the Bogor Declaration see, India, *Ministry of External Affairs, Annual Report, 1954-55*, (New Delhi), pp.55-58.
29. S. Gopal, *Jawaharlal Nehru: A Biography*, vol.2, (New Delhi: Oxford University Press, 1979), p.232.

www.pakistanipoint.com

7. M.J. Akbar, *India: The Siege Within, Challenges to a Nation's Unity*, (New Delhi: UPS, revised edition, 1996), p.19.
8. P.R.Kumaraswamy, "The strangely parallel careers of Israel and Pakistan", *Middle East Quarterly*, vol.4, no.2, June 1997, pp.31-39.
9. *Israel Channel 2 Television*, June 19, 1998, in *FBIS-NES-98-170*, June 19, 1998. (Unless otherwise mentioned all *FBIS-NES* materials are taken from the electronic edition). The author is grateful to Amnon, Avi and Riccardo for their invaluable help in collecting the FBIS materials.
10. For discussions on Pakistan's historical role in the formation of an Islamic bloc see, Arif Hussain, *Pakistan: Its Ideology and Foreign Policy*, (London: Frank Cass, 1966), pp.126-152; Salayman S. Nyang, "Pakistan's role in the Organization of Islamic Conference", *Journal of South Asian and Middle Eastern Studies*, vol.7, no.3, Spring 1984, pp.14-33; S.S. Pirzada, "Pakistan and OIC", *Pakistan Horizon*, (Karachi), vol.40, no.2, April 1987, pp.14-38; and Michael B. Bishku, "In search of identity and security: Pakistan and the Middle East, 1947-77", *Conflict Quarterly*, (Fredericton, NB), vol.12, no.3, Summer 1992, pp.30-51.
11. Reflecting on Islamabad's relations with the Shah of Iran, a Pakistani commentator observed: ..."while professing friendship for the anti-Zionist cause (Pakistan) continued to develop its military-political contacts with Iran's regime, which was close to Zionism and was despised by the Palestinian guerrillas and even by some of the Middle East governments." Tariq Ali, *Pakistan: Military Rule or People's Power*, (London: Jonathan Cape, 1970), p.139.
12. Mehtab Ali Shah, *The Foreign Policy of Pakistan: Ethnic Impacts on Diplomacy, 1971-1994*, (London: I.B. Tauris, 1997), p.27 and 154.
13. Resolution adopted by the tenth session of the Muslim League in Calcutta, December 1917- January 1918, in Syed Sharifuddin Pirzada, ed., *The Foundations of Pakistan: All India Muslim League Documents, 1906-1947*, (Karachi: National Publishing House, 1969), vol.1, p.442.
14. Presidential address of Mohammed Ali Jinnah at the twenty-fifth Muslim League session in Lucknow in October 1937, in Pirzada, *The Foundations of Pakistan*, vol.2, p.272.
15. Political resolution adopted at the twenty-fifth Muslim League session in Lucknow in October 1937, in Pirzada, *The Foundations of Pakistan*, vol.2, pp.277-278.

www.pdfbooksfree.com

Notes

The author is grateful to the Jaffee Center for Strategic Studies for its support and to the readers for their valuable comments on the earlier draft. The author alone, however, is responsible for any omissions and commissions.

1. Tariq Ali, *Can Pakistan Survive? The Death of a State*, (London: Verso, 1983), pp.223-224n.
2. Walter Eytan, *The First Ten Years: A Diplomatic History of Israel*, (New York: Simon and Schuster, 1958), p.183. Others were less diplomatic and more vocal. For instance, in June 1982, Israeli Consul in Bombay Yossef Hasseen charged that India was using every international forum to denounce Israel "and prove to the Arabs that you are doing more than Pakistan. That way you think you will impress the Arabs." *Sunday Observer* (Bombay), June 27, 1982. The controversial remarks, however, led to Hasseen being declared *persona non grata*.
3. A serious and pioneering refutation of this allegation can be found in Sanford R. Silverburg, "Pakistan and the West Bank: A research note", *Middle Eastern Studies*, vol.19, no.2, April 1983, pp.261-263. The allegation, however, persists. Among others see, Shmuel Katz, "Sheer distortion", *The Jerusalem Post*, January 22, 1993; David Bar-Ilan, "A terrorist attack becomes a military clash", *The Jerusalem Post*, July 9, 1993; and Moshe Kohn, "The name of the game", *The Jerusalem Post*, August 6, 1993.
4. For a serious and interesting discussion see, Aharon Klieman, *Statecraft in the Dark: Israel's Practice of Quiet Diplomacy, JCSS Study no. 10*, (Jerusalem: The Jerusalem Post, 1988).
5. This research is primarily based on archival and other materials available in Israel. Resource and logistical constraints prevented the perusal of primary and secondary materials available in Pakistan.
6. There were exceptions; for instance, in March 1963, the Multan-based Center of Technology, sponsored by the Pakistani government, wrote to the Israeli Ministry of Tourism, requesting the latter to participate in a tourism promotion exhibition. Director, Center of Technology, Multan, to The Secretary Ministry of Tourism, government of Israel Jerusalem, March 9, 1963, *Israel State Archives* (Jerusalem), Ministry of Foreign Affairs, (hereafter *ISA MFA*), File No. 3432/37.

www.pdfbooksfree.com

فیکٹ پبلی کیشنز کی بیسٹ سیلر کتابیں

نئے اور منفرد موضوعات پر اسلامی کتب

تاریخ مدینہ منورہ، زمانہ قدیم سے حال تک	ترجمہ: ڈاکٹر شمس کمال انجم
تاریخ خانہ کعبہ، زمانہ قدیم سے حال تک	محمد طاہر الکردی
تاریخ غلاف کعبہ، تفصیلی حالات، تاریخی واقعات کے ساتھ	علی شبیر
تاریخ حجر اسود، مفصل اور مستند تاریخی واقعات کے ساتھ	علی شبیر
تاریخ القرآن، نزول سے آج تک کے تمام تاریخی واقعات اور معلومات	مولانا حافظ محمد اسلام
تاریخ بیت المقدس، شہر انبیاء کے تاریخی حالات و واقعات	عبدالقدیر خان اوسیم شیخ
انا الحق، خدا سرابی سے خود یابی تک	مظہر بخاری
تصوف کی ڈکشنری، پاکستان میں روحانیت اور تصوف کی پہلی اُردو لغت	خواجہ شاہ محمد عبدالصمد
عشق کی سائنس، "میں" سے "تُو" تک	نعمان نیئر کلاچوی
دانہ دانہ دانائی، روحانیت، تصوف، احساسات اور محسوسات سے لبریز باتیں	محمد احسن

دلچسپ سوانح عمریاں

اسٹیفن ہاکنگ، عظیم سائنسدان کی زندگی، خیالات اور تجربات	مائیکل وائٹ
بل گیٹس، کمپیوٹر میں انقلاب برپا کر دینے والی ہستی کا دلچسپ احوال	منصور ارشد
آئزک نیوٹن، ایک عظیم اور پُر اسرار سائنس دان	کیری لوگن ہولی مین
البرٹ آئن سٹائن، عظیم ترین سائنس دان کی محنت اور جدوجہد	ترجمہ: او۔ پی۔ نامی
جرنیل بیتی، جنرل پرویز مشرف کی سوانح عمری	مقبول ارشد
جلال الدین اکبر، عظیم شہنشاہ کی داستان حیات	شریں موسوی

www.pakistanipoint.com

رانی لکشمی بائی، جھانسی کی رانی کی داستان حیات	لال ورما
شیر شاہ سوری، ایک عظیم حکمران کی سوانح عمری	ودیا بھاسکر
انور السادات، سابق مصری صدر کی خودنوشت	انور السادات
عظیم المیہ	ذوالفقار علی بھٹو
ایئر کموڈور ایم ایم عالم	زاہد یعقوب عامر
زندہ تاریخ، سابق امریکی خاتون اول کی آپ بیتی	ہیلری کلنٹن
آل سعود، سلطان عبدالعزیز ابن سعود	سید سردار محمد حسنی
بہادر شاہ ظفر، سوانح عمری، کلام اور مقدمہ	امیر احمد علوی
چارلس ڈارون کی آپ بیتی	چارلس ڈارون
دنیا کے مشہور بزنس مینوں کی سوانح عمریاں	آر چناسری نواسن

نت نئے سائنسی موضوعات

انسان کی کہانی	بمل بسمو
دنیا کے نامور سائنسدان	ولیم آلیور سٹیونز
عظیم مسلمان سائنسدان	سید مجیب الدین
ممتاز مسلمان سائنسدان	سید مجیب الدین
دنیا کے بڑے موجد اور ان کی ایجادات	کے وی گوپال کرشنن

کرنٹ افیئرز / سیاست

پاکستان کے ارب پتی خاندان	مقبول ارشد
پاکستان میں ناکام فوجی بغاوتیں	مقبول ارشد
دہشت گرد یا جہادی، مذہبی و جہادی تنظیموں کے جنگجوؤں کی سرگرمیوں پر تحقیق	مقبول ارشد

www.pakistanipoint.com